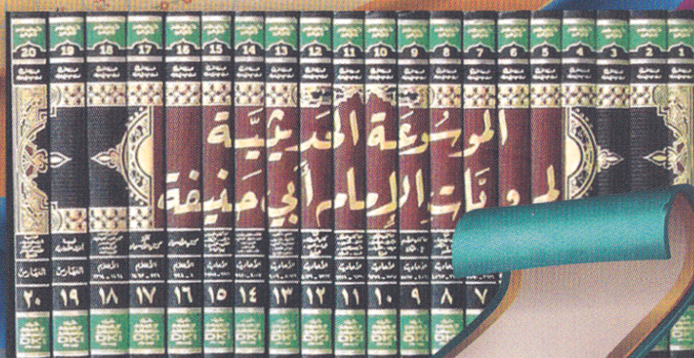
موسوعہ مرویاتِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ

کی علمی واستنادی حیثیت

تالیف: مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ





دار ابی الطیب
للبحث والتحقیق

کتاب

موسوعہ مرویاتِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ کی علمی واستنادی حیثیت

تالیف

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

اشاعت ______ اکتوبر 2023ء

ناشر

دار ابی الطیب للبحث والتحقیق

Street no: 5, Hameed Colony, Gill Road, Gujranwala
+92-55-3823990 darabitayyab1@gmail.com
fb/darabitayyab www.darabitayyab.com

بسم الله الرحمن الرحيم

موسوعہ مرویاتِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ
کی علمی واستنادی حیثیت

فہرست



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایک بلند مرتبت فقیہ اور جلیل القدر علمی شخصیت ہیں جن کی اسلامی فقہیات میں گراں قدر خدمات ہیں اور تدریس و تعلیم کے ذریعے سے انھوں نے خلقِ کثیر کو مستفید کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بذاتِ خود تو کوئی علمی تصنیف یادگار نہیں، تاہم ان کے تلامذہ اور دیگر علمائے احناف نے فقہ و حدیث میں ان کے علوم و معارف کو مدوّن کرنے کی سعی ضرور کی ہے۔ بالخصوص کئی اکابر اہلِ علم نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کو مسانید کے نام سے مرتب کیا جن میں ایک بڑا مجموعہ شیخ خوارزمی کی ''جامع المسانید'' ہے جو پندرہ مسندوں سے ماخوذ ہے اور اس میں مذکور روایات کی تعداد 1778 ہے۔

اسی طرح کی ایک کوشش کچھ عرصہ قبل مولانا لطیف الرحمان قاسمی صاحب نے ''الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفة'' کے نام سے کی ہے۔ یہ کتاب 20 جلدوں پر مشتمل ہے جس کی پہلی تین جلدیں تو بطور مقدمہ کے ہیں اور آخری پانچ جلدیں فہارس پر مشتمل ہیں، یوں اصل کتاب 12 جلدوں میں ہے جس میں مذکور روایات کی تعداد 10588 ہے۔

اس موسوعہ کے مولف جناب مولانا قاسمی کا دعویٰ تو اگرچہ یہی تھا کہ انھوں نے اس کتاب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث و روایات کو جمع کیا ہے اور مقصود بھی ان کا یہی تھا کہ انھیں کثیر الروایۃ محدث باور کروایا جائے، مگر اپنی اس تصنیف میں

انھوں نے جس طرح کی علمی و اصولی اغلاط کا ارتکاب کیا ہے وہ قارئین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

موصوف قاسمی صاحب نے اپنی اس کتاب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث کے ساتھ ان کے اقوال وفتاویٰ کو بھی ذکر کر دیا، بلکہ ان کی زندگی کے حالات وواقعات کو بھی درج کر دیا ہے۔ حتی کہ اگر ان کے نام سے کسی نے کوئی بات کہی ہے تو اسے بھی شمار کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں ایک ہی روایت کو متعدد نمبر دے کر تعداد بڑھانے کی طفلانہ سعی کی گئی ہے، حتی کہ اگر ایک حدیث دو کتابوں میں ہے تو اسے دو شمار کیا ہے۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی علمی اور منہجی و اصولی اغلاط کا ارتکاب کیا گیا ہے جس کے بعد ضرورت تھی کہ اس کتاب کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا اور اس کی علمی و استنادی حیثیت طلبہ و علماء کے سامنے واضح کی جاتی۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ہماری درخواست پر اس کتاب پر ایک نظر ڈالی اور اس کی علمی اخطاء کو دلائل و براہین کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ امید ہے علمی و حدیثی فوائد پر مشتمل یہ کتاب قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگی۔

اللہ رب العزت اس کتاب کے مولف کو اجرِ جزیل عطا فرمائے اور ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس کی تکمیل و اشاعت میں تعاون کیا۔ بالخصوص لجنۃ القارہ الہندیہ (جمعیت احیاء التراث الاسلامی۔ کویت) کے رئیس شیخ فلاح خالد المطیری کے شکر گزار ہیں جن کے تعاون سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ بارك الله فيهم وتقبل منهم.

والسلام

عارف جاوید محمدی

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ نے مسند کے نام سے کوئی کتاب مرتب نہیں کی۔حتی کہ مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”وَلَمْ يُصَنِّفِ الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ رضي الله عنه كِتَاباً فِي الْأَخْبَارِ وَالْآثَارِ كَمَا صَنَّفَ الْإِمَامُ مَالِكٌ رضي الله عنه الْمُوَطَّأَ“

(مقدمه كتاب الآثار لأبي يوسف. ج)

”امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کوئی کتاب احادیث و آثار میں تصنیف نہیں کی، جیسے امام مالک رضی اللہ عنہ نے الموطا لکھی ہے۔“

البتہ ان کے بعض تلامذہ نے اور بعض متاخرین نے امام صاحب کی مرویات کو ”الآثار“ اور ”مسند“ کے نام سے جمع کیا ہے اور انہی کتابوں کو شیخ ابو المؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی الخطیب نے ”جامع المسانید“ کے نام سے مرتب کیا ہے۔

شیخ ابو المؤید ۶۵۵ھ میں فوت ہوئے۔ (الجواهر المضية: ١٣٢/٢، الفوائد البهية، ص: ٢٠٠، ٢٠١ وغيره) مگر حاجی خلیفہ نے ان کا سنہ وفات ۶۶۵ھ لکھا ہے۔ (كشف الظنون: ١٦٨٠/٢) یہی سن مطبوع جامع المسانید کے لوح پر ہے لیکن عقود الجواہر میں علامہ الزبیدی نے ۶۷۵ھ لکھا ہے، جب کہ بستان المحدثین میں ۶۷۴ھ ہے۔

افسوس ہے کہ ان کے بارے میں کوئی تفصیل میسر نہیں، تمام مراجع میں صرف اتنی سی بات لکھی گئی ہے:

''انھوں نے امام نجم الدین طاہر بن محمد الحفصی سے فقہ کی تعلیم پائی، خوارزم کے قاضی بنے۔ بغداد گئے۔ حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، کچھ عرصہ وہاں رہے پھر مصر و شام گئے، پھر بغداد لوٹ آئے اور وہاں درس دیا۔''

غالبًا درس سے مراد درسِ حدیث نہیں، وعظ و ارشاد کا درس ہے۔ تبھی ''الخطیب'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کے شیوخِ حدیث، تلامذہ اور طلبِ حدیث میں ان کی مساعی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

جامع المسانید کی وجہ تصنیف:

شیخ الخوارزمی فرماتے ہیں:

''میں نے شام میں بعض جاہلوں سے سنا، وہ امام ابو حنیفہ کی تحقیر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ان سے قلیل روایات منقول ہیں، ان کی کوئی مسند نہیں:
''فَلَحِقَتْنِي حَمِيَّةٌ دِينِيَّةٌ رَبَّانِيَّةٌ وَعَصَبِيَّةٌ حَنَفِيَّةٌ نُعْمَانِيَّةٌ'' تو مجھے حمیتِ دینِ ربانی اور حنفی نعمانی عصبیت نے یہ مسانید جمع کرنے پر آمادہ کیا۔'' (مقدمہ جامع المسانید، ص: ٤)

علامہ شبلی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ اس کے جمع کرنے کا باعث ''حمیتِ مذہبی کا جوش'' تھا۔ (سیرتِ نعمان، ص: ۱۳۲)

گویا یہ ''خدمت'' خدمتِ حدیث کے جذبے سے نہیں بلکہ ''حنفی نعمانی حمیت'' کے جذبے کا نتیجہ تھا۔ انہی مسانید کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''ان کا امامِ اعظم کی طرف نسبت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مسند ابو بکر کو جو حضرت امام احمد کا ترتیب دادہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت

کر دیں، اس میں زیادہ مغالطہ نہیں۔" (بستان المحدثین مترجم، ص: ٥٤)

اس مسند کی استنادی پوزیشن یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اسے طبقات کتبِ حدیث کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے جس میں ضعیف محتمل کے علاوہ موضوع، مقلوب، شدید نکارت پر مشتمل احادیث ہیں اور انھی کے قریب جامع المسانید ہے۔ (حجة الله: ١٣٥/١)

شیخ خوارزمی کا علمی مقام:

علامہ خوارزمی رحمہ اللہ بلاشبہہ خطیب اور بڑے حنفی عالم تھے۔ انھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کی مسانید کو جمع کرنے میں اپنی مذہبی حمیت کا فریضہ ادا کیا اور جو کچھ متقدمین نے لکھا تھا اسے اکٹھا کر دیا، مگر انتہائی معذرت سے عرض ہے کہ خود انھیں حدیث سے کس قدر لگاؤ تھا، اس کا اندازہ ان کے مقدمہ ہی سے ہو سکتا ہے، جس میں انھوں نے اہلِ علم کے مناقب میں لکھا ہے:

"وَجَعَلَهُمْ بِلِسَانِ نَبِيِّهِ كَأَنْبِيَاءِ أَهْلِ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ. فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ السَّلَامُ: عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ"

(مقدمہ، ص: ٣)

"انھیں ان کے نبی کی زبان سے اہلِ تورات و انجیل کے انبیاء (علیہم السلام) کی طرح قرار دیا، چنانچہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔"

ان الفاظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کوئی خطیب یا صوفی تو کہہ سکتا ہے، حدیث کا طالب علم یہ جسارت نہیں کر سکتا۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قَالَ شَيْخُنَا، وَمَنْ قَبْلَهُ الدَّمِيرِيُّ وَالزَّرْكَشِيُّ: إِنَّهُ لَا أَصْلَ لَهُ، وَزَادَ بَعْضُهُمْ: وَلَا يُعْرَفُ فِي كِتَابٍ مُعْتَبَرٍ"

(المقاصد الحسنة، ص: ٢٨٩)

”ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) اور ان سے قبل علامہ دمیری رحمہ اللہ اور علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور بعض نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں۔“

یہی بات علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے ”فتح المغیث“ (٤/١١) میں زبان زد مشہور حدیث کے ضمن میں کہی ہے۔ نیز دیکھیے: شرح نخبة الفكر لعلي قاري (ص: ١٩٥)، المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (ص: ٩٣)، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة (ص: ٢٧٤)، الفوائد المجموعة (ص: ٢٨٦)، تمييز الطيب (رقم: ٨٧١)، أسنى المطالب (ص: ١٤٠)، الدرر المنتثرة للسيوطي (ص: ١١٣)، كشف الخفاء (٨٣/٢)، اليواقيت والدرر للمناوي (١٥٤/١)، الكشف الإلٰهي عن شديد الضعف والموضوع والواهي للطرابلسي (٤٩٨/٢)، التذكرة للزركشي (ص: ١٦٦)، الشذرة لابن طولون (رقم: ٦٠٢)، تذكرة الموضوعات للفتني (ص: ٢٠) الضعيفة (رقم: ٤٦٦) وغيره.

بلاشبہہ علامہ رازی وغیرہ بعض علماء نے اسے حدیث قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ عجلونی رحمہ اللہ نے کشف الخفاء میں کہا ہے مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے، کسی مستند حدیث کی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں۔

اسی بے اصل روایت کے بارے میں یہ بھی دیکھیے کہ قاضی نصیر الدین بن قاضی سراج محمد برہان پوری نے کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع اور بے اصل ہے تو طوفان امنڈ آیا۔ خود شیخ کے خسر علم اللہ بیجاپوری نے انھیں کافر قرار دیا اور فتویٰ دیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے اور آگ میں جلا دیا جائے۔ اس فتوے پر عمل درآمد کرانے کے لیے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس پر علماء کے دستخط اور مہریں ثبت کرائیں۔ صرف شیخ فضل اللہ

برہان پوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے اس کی تصدیق سے انکار کیا اور بڑی مشکل سے ان کی جان بخشی ہوئی۔

(نزھة الخواطر: ٤١٧/٥، ٤١٨، برصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ، ص: ٢٧٤، ٢٧٥)

باعثِ تعجب ہوگا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی سوانح میں لکھا ہے:

''حضرت کی مجالس کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ چھوٹے پیمانے پر انبیائے کرام علیہم السلام کا رنگ تھا، ''عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ'' والی حدیث صاف چسپاں ہوتی تھی۔''

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، ص: ١١٦)

اسی حدیث سے امام غزالی رحمہ اللہ کی عظمت کی کہانی علامہ راغب کی محاضرات الادباء کے حوالے سے شیخ اسماعیل حقی نے تفسیر ''روح البیان'' (٣٧٤/٥، ٣٧٥) میں، نیز شیخ عبدالقادر بن عبداللہ نے ''تعريف الأحباء بفضائل الإحباء'' (٤٤/١، ٤٥) علی ہامش الاحیاء میں ذکر کی ہے۔ اس کو شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے معراج کا قصہ بنا دیا، جیسا کہ شمائلِ امدادیہ (ص: ١٣٤) میں ہے۔ یہ اور اسی نوعیت کی مزید تفصیل اس فقیر کے مقالات (٢٩٦/١) میں ملاحظہ فرمائیں۔

② علامہ الخوارزمی نے فرمایا کہ مجھ سے بعض مجہولوں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے قلیل روایات منقول ہیں۔ جب کہ امرِ واقع یہ ہے کہ ''مجہول'' نے جو کچھ کہا کبار محدثین نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اگر وہ ان کے کلام سے آگاہ ہوتے تو شاید ''مجہولوں'' کی بات پر ناراضی کا اظہار نہ فرماتے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ (الكنى والأسماء: ٢٧٦/١)، امام نسائی رحمہ اللہ (الضعفاء، ص: ٣١٠) اور امام عبداللہ بن مبارک (قيام الليل، ص: ١٢٣، الضعفاء لابن

حبان: ٧١/٣، الجرح والتعديل: ٤/٤٥٠، ق ١) وغیرہ نے انھیں "قلیل الحدیث" اور "مسکیناً في الحدیث" کہا ہے۔حتی کہ ان کے ایک اور شاگرد اسرائیل بن یونس، جو ثقہ محدث ہیں، نے بھی کہا ہے کہ وہ "قلیل الحدیث" تھے۔ (فضائل أبي حنیفة لابن أبي العوام، ص: ١٥١) بلکہ امام یحییٰ بن سعید القطان نے تو کہا ہے: "لم یکن بصاحب حدیث" کہ وہ صاحبِ حدیث نہ تھے۔یعنی حدیث ان کا موضوع نہ تھا۔ (الضعفاء للعقیلي: ٣٨٢/٤، ابن عدي: ١٢٣/١٥، تاریخ بغداد: ٤١٦/١٣) اسی قسم کا قول حافظ ابن عبدالبر نے حفص بن غیاث سے نقل کیا ہے۔ (جامع بیان العلم: ١٤٥/١)

علامہ شعرانی نے امام صاحب کا قیاس کو نصوص پر مقدم کرنے کا سبب ہی یہ بتلایا ہے کہ ان کے دور میں اس قدر روایات جمع نہیں ہوئی تھیں، اگر تدوینِ حدیث کے دور میں زندہ رہتے، جس میں حفاظ محدثین نے شہر بہ شہر پھر کے احادیث کو جمع کیا تو وہ انھی کو اپنا مرجع بناتے اور ہر قسم کا قیاس چھوڑ دیتے، ان کے الفاظ ہیں:

"إِنَّهُ لَوْ عَاشَ حَتّٰی دُوِّنَتْ أَحَادِيْثُ الشَّرِيْعَةِ وَبَعْدَ رَحِيْلِ الْحُفَّاظِ فِيْ جَمْعِهَا مِنَ الْبِلَادِ وَالثُّغُوْرِ، وَظَفِرَ بِهَا لَأَخَذَ بِهَا وَتَرَكَ كُلَّ قِيَاسٍ قَاسَهُ" (المیزان الکبریٰ: ٦٦/١)

خطیب الخوارزمی نے فرمایا ہے کہ میں نے ان مسانید کو چالیس ابواب میں ذکر کیا ہے، کیونکہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو سعید، ابو ہریرہ، ابو الدرداء اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری چالیس احادیث بیان کرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ ملخصاً

ان کے الفاظ ہیں:

"وَأَرَدْتُ أَنْ أَجْمَعَ هٰذِهِ الْمَسَانِيْدَ فِيْ أَرْبَعِيْنَ بَاباً الخ" (ص: ٧)

اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ''چالیس احادیث کی روایت'' کی فضیلت میں جتنی روایات ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے انھیں ''العلل المتناهية''، جلد اول میں ''بَاب ثَوَاب من حفظ أَرْبَعِين حَدِيْثًا'' کے تحت ذکر کیا ہے اور اس کے تحت حضرت علی، ابن مسعود، معاذ بن جبل، ابو الدرداء، ابو سعید، ابو ہریرہ، ابو امامۃ، ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو، جابر بن سمرہ، انس اور بریدۃ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی احادیث ذکر کی ہیں اور سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: العلل المتناهية (۱/۱۱۱، ۱۱۲)۔ یہی بات امام دارقطنی، امام ابن عساکر، علامہ نووی، حافظ ابن حجر، امام بیہقی، ابن السکن وغیرہ نے کہی ہے۔ (المقاصد الحسنة: ص: ٤١١، التلخيص: ۳/۲۰۸، شعب الإیمان: ۳/۲٤۱، جامع بیان العلم: ۱/٤٤، کشف الخفاء: ۲/۳۲۲ وغیرہ)

ثانیاً: خطیب الخوارزمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''أما حديث ابن عباس...''، رہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث، مگر اس کی اسانید ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَجِيْدِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ أَبِيْ رَوَّادٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ'' الخ

(مقدمه، ص: ۷، ۸)

غور فرمائیے! یہ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تو نہیں۔ یہ روایت اسی سند سے العلل المتناهية (۱/۱۱۲)، المحدث الفاصل (ص: ۱۷۳) اور جامع بیان العلم (۱/٤٤) میں بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ حیرت ہے کہ خطیب الخوارزمی اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باور کراتے ہیں اور نقل ''ابن عباس عن معاذ'' سے کرتے ہیں!!

ثالثاً: مقدمہ جامع المسانید ہی میں چالیس ابواب کے عناوین لکھے گئے ہیں، آخری باب کا عنوان ہے: ''الباب الأربعون في معرفة مشايخ هذه

المسانید علی حروف المعجم'' یعنی چالیسواں باب، ان مسانید کے مشائخ کے تعارف میں حروف معجم کے مطابق۔ اب کون سمجھے کہ اس باب کا امام صاحب کی مسانید کی ترتیب سے کیا تعلق ہے۔ یہی حال اس کے پہلے دو ابواب کا ہے۔

رابعاً: یہی خطیب الخوارزمی رحمہ اللہ امام صاحب رحمہ اللہ کا ایک اصول یہ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے اصح احادیث کی بنا پر بعض احادیث پر عمل نہیں کیا:

''فَمِنْهَا: قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: « إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلْ خَبَثًا » تَرَكَهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ'' الخ

(مقدمه، ص: ٤٣)

چنانچہ انھی میں سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب پانی دو قلوں کے برابر ہو تو پلید نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اسے اس لیے چھوڑ دیا کہ یہ حدیث صحیحین میں نہیں، اس کی سند مضطرب اور قُلہ مشترک لفظ ہے۔ اس کے مقابلے میں بخاری و مسلم میں متفق علیہ حدیث ہے کہ کھڑے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے، پھر اس سے وضو کرے۔

سوال یہ ہے کہ کیا حدیثِ قلتین کے بارے میں امام صاحب کا یہ تبصرہ ان سے منقول ہے یا محض خانہ ساز ہے؟ کہاں امام صاحب اور کہاں صحیحین اور ان کے مصنفین؟ کیا احناف کے نزدیک صحیحین کی حدیث باعثِ ترجیح ہے؟ اگر یہ وجۂ ترجیح امام صاحب کے نزدیک مسلّم ہے تو احناف اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ امام صاحب تو اس حدیثِ صحیح کو تسلیم کرتے ہوئے اسے ''بہتے پانی'' پر محمول کرتے ہیں (الموسوعة: ۸۱۹) اور قاضی ابو یوسف اس تاویل پر فرطِ محبت سے امام صاحب کے سر کا بوسہ لیتے ہیں۔ کیا حدیث کی اس تاویل کی گنجایش ہے؟ فاعتبروا یا أولي الأبصار.

علاوہ ازیں خطیب خوارزمی نے یہاں بخاری ومسلم کی حدیث کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں:

"لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِيْ الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ: وَلَفْظُ مُسْلِمٍ رحمۃ اللہ علیہ: ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ" (مقدمہ، ص: ٤٣)

حالانکہ صحیح بخاری ومسلم میں یہ حدیث: "ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ" کے الفاظ سے قطعاً نہیں بلکہ دونوں میں "ثُمَّ يَغْتَسِلُ" کے الفاظ سے ہے۔ (بخاري: ٢٣٩، مسلم: ٢٨٢) اور یہ روایت بواسطہ محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ ہے، جب کہ مسند ابی حنیفۃ میں یہ جن الفاظ سے ہے وہ بجائے خود ایک معمہ ہے۔

اسی باب میں خطیب خوارزمی کی بیان کردہ ترمذی کی ایک حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ذَكَرَهُ التِّرْمِذِيُّ فِيْ جَامِعِهِ وَهُوَ حَدِيْثُ مَيْمُوْنَةَ، قَالَتْ: اِجْتَنَبْتُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ فَاغْتَسَلْتُ فِيْ جَفْنَةٍ فَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيَغْتَسِلَ مِنْهَا، قُلْتُ: إِنِّيْ اغْتَسَلْتُ مِنْهَا، قَالَ: إِنَّ الْمَاءَ لَيْسَ عَلَيْهِ جَنَابَةٌ وَلَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، فَاغْتَسَلَ مِنْهُ. قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى التِّرْمِذِيُّ رحمہ اللہ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَنٌ" (مقدمہ، ص: ٤٤)

حالانکہ یہ حدیث ان الفاظ سے جامع ترمذی میں قطعاً نہیں۔ ترمذی (٦٥) میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اور وہ بھی مختصراً: "اِغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ جَفْنَةٍ" اور اس میں صرف آپ ﷺ کے وضو کرنے کا ذکر ہے، غسل کرنے کا نہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ اور سیاق علیحدہ ہے (ترمذی: ٦٢)

خطیب صاحب نے دونوں کو خلط ملط کر دیا اور یہ تفصیلی روایت بنا دی جو دراصل سنن دارقطنی (رقم: ۱۳۳) میں ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے: ''میمونہ رضی اللہ عنہا کا اس حدیث میں نام صرف شریک لیتے ہیں۔'' دراصل یہ حدیث: ''ابن عباس قَالَ: اِغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ'' سے ہے جیسا کہ ترمذی وغیرہ میں ہے، بلکہ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نہیں بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ہے۔ ''العلل لابن أبي حاتم'' (۴۳/۱)۔ اور اس میں ''یتوضأ'' کا لفظ ہے، غسل کا نہیں۔

شیخ الخوارزمی کی عصبیت:

شیخ الخوارزمی کی عصبیت اور مذہبی حمیت کا اندازہ کیجیے کہ حماد بن ابی حنیفہ (المتوفی: ۱۷۷ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''هُوَ إِمَامٌ فِي عِلْمِ الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ ثِقَةٌ عَدْلٌ وَثَّقَهُ أَصْحَابُ الْحَدِيْثِ'' (جامع المسانيد: ۴۳۴/۲)

''وہ علمِ حدیث و فقہ کے امام ثقہ عدل ہیں اور اصحاب الحدیث نے ان کی توثیق کی ہے۔''

بلاشبہ حماد، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے وارث اور نیک و صالح انسان تھے، مگر وہ نہ علمِ حدیث کے امام تھے نہ ہی محدثین میں سے کسی نے انھیں ثقہ کہا ہے، بلکہ حافظ ذہبی نے میزان (۵۹۰/۱)، المغني في الضعفاء (۱۸۸/۱)، ذيل الديوان (ص: ۳۰) میں لکھا ہے: ''ضَعَّفَهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَغَيْرُهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ'' اور دیوان الضعفاء (ص: ۷۳) میں لکھتے ہیں: ''مُقِلٌّ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ'' اور ''تاريخ الاسلام'' (ص: ۱۰۱) میں ۱۷۱۔۱۸۰ھ کے حوادث کے تحت لکھتے ہیں:

''مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ، وَقَدْ ذَكَرَهُ ابْنُ عَدِيٍّ فِي الْكَامِلِ''

شائقین مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الكامل لابن عدي (٣/٣٤٥)، لسان المیزان (٢/٣٤٦).

شیخ عبدالقادر القرشی نے ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور کسی محدث سے کوئی کلمہ توثیق کا نقل نہیں کیا۔ (الجواهر المضية: ٢٢٦/١) جبکہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے الفوائد البهية (ص: ٦٩) میں توثیق کی ہے، حافظ ذہبی کے حوالے سے لکھا کہ ابن عدی نے حفظ کی بنا پر اس کی تضعیف کی ہے۔ یہ ہے حقیقت شیخ الخوارزمی کے بلادلیل قول کی کہ محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔ سُبُحَانَكَ هَذَا بُهُتَانٌ عَظِيُمٌ.

اسی طرح انھوں نے سلیمان بن داود بن بشر الشاذکونی کے ترجمہ میں تاریخ بغداد سے اس کے حافظِ حدیث ہونے کے حوالے سے تو لکھا ہے، کیوں کہ اس کی کچھ روایات جامع المسانید کی ''زینت'' ہیں، مگر تاریخ بغداد ہی میں جو اس کے کذاب اور وضاع ہونے کا ذکر ہے، ان کی مذہبی عصبیت کی بھینٹ چڑھ گیا۔ ملاحظہ ہوں: تاریخ بغداد (٩/٤٦۔٤٧)، میزان (٢/٢٠٥)، لسان (٣/٨٥۔٨٨)

نیز احمد بن الصلت بن المفلس الحمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قَالَ الُخَطِيُبُ: وَبَعُضُ النَّاسِ يَقُولُونَ: أَحُمَدُ بُنُ الصَّلُتِ يَضَعُ الُحَدِيُثَ'' (جامع المسانيد: ٢/٣٩٨)

خطیب الخوارزمی نے خطیب بغدادی کی عبارت کا جو حلیہ بگاڑا ہے اس پر ہم سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ تاریخ بغداد میں ہے:

''وَبَعُضُ النَّاسِ يَقُولُونَ: أَحُمَدُ بُنُ الصَّلُتِ، وَبَعُضُهُمُ: أَحُمَدُ بُنُ عَطِيَّةَ.... قَالَ الدَّارَقُطُنِيُّ: اِبُنُ الصَّلُتِ هَذَا يَضَعُ الُحَدِيُثَ''

(تاريخ بغداد: ٥/٣٤)

اندازہ کیجیے خطیب رحمہ اللہ نے کیا اور شیخ الخوارزمی کیا نقل کر رہے ہیں کہ بعض

لوگوں نے اسے ”يَضَعُ الْحَدِيْثَ“ کہا ہے۔ فَوَا أَسَفا...!

حالانکہ یہ قول امام دارقطنی کا ہے اور خطیب بغدادی نے اس کے بعد امام ابن عدی سے یہ بھی نقل کیا ہے: ”مَا رَأَيْتُ فِيْ الْكَذَّابِيْنَ أَقَلَّ حَيَاءً مِنْهُ“ کہ میں نے جھوٹوں میں اس سے کم بے حیا نہیں دیکھا، یعنی سب سے بڑا بے حیا احمد بن الصلت ہے۔ اب اسے نقل میں خیانت کہیں یا جامع المسانید کے نسخے میں خطا سمجھیں۔ واللہ اعلم

اسی طرح ایک الحسن بن زیاد اللؤلؤی ہیں، شیخ الخوارزمی نے خطیب بغدادی سے حسبِ ضرورت کلام نقل کیا، مگر خطیب بغدادی نے محدثین سے جو اس پر جرح نقل کی ہے، اسے بالکل نظر انداز کر دیا، ملاحظہ ہوں: جامع المسانيد (٤٣٤/١)، تاريخ بغداد (٣١٤/٧، ٣١٧).

لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ الخوارزمی نے الحسن بن زیاد کا جو قول کہ ”میں نے ابن جریج کی بارہ ہزار احادیث ایسی لکھی ہیں کہ تمام فقہاء ان کے محتاج ہیں۔“ نقل کیا ہے، اس کا راوی یہی احمد بن الصلت ہے اور حسن لؤلؤی خود بھی کذاب ہے۔ اس نوعیت کی اور بھی مثالیں ہیں مگر یہاں استیعاب مقصود نہیں۔ شیخ الخوارزمی کے مبلغِ علم کا اندازہ فرمائیے کہ ”أيوب[١] بن هانئ يروى عن أبي حنيفة، أحمد[٢] بن أبي ظبيه، إسماعيل[٣] بن ملحان، إسماعيل[٤] النسوي، إسماعيل[٥] بياع السابري، إسماعيل[٦] بن علبان، أخضر[٧] بن حكيم، اليسع[٨] بن طلحة، إبراهيم[٩] بن سعيد، أبيض[١٠] بن أغر“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا ترجمہ میں نے تاریخ بغداد، تاریخ البخاری، ابن نجار میں نہیں پایا، شاید یہ بغداد نہیں آئے۔ (جامع المسانيد: ٣٩٠/٢)

اس سے یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ الخوارزمی کو تاریخ و رجال کی معرفت کے لیے

صرف تین کتابیں میسر ہیں جن میں انھیں یہ تراجم نہیں ملے۔ چلیے تسلیم کرتے ہیں کہ مزید مراجع ان کے پاس نہیں تھے، مگر کیا کیجیے کہ انہی راویوں میں سے اسماعیل بیاع السابری جو دراصل اسماعیل بن سمیع الحنفی ابو محمد ہیں، ان کا ترجمہ امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۳۵٦/۱) میں ذکر کیا ہے۔ ایوب بن ہانی کا ترجمہ الجرح والتعدیل (۲٦۱/۲)، تاریخ ابن معین (٤/٤٨٤، رقم: ٥٤٠١) اور الثقات لابن حبان (٦/٥، ٨/١٣٧) اور سؤالات السلمي (١٠٢) وغیرہ میں ہے۔ اور احمد بن ابی طیبہ کا ترجمہ الجرح والتعدیل (٢/٦٢)، الثقات لابن حبان (٨/٣)، التاریخ الکبیر (٦/٤٠٣) وذکر تاریخ وفاته في ترجمة أبيه عیسٰی بن سلیمان أبو طیبة الأوسط (٢/٣٧٤)، الإرشاد (١/٢٧٢۔٢٧١) وغیرہ۔

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھیے، شیخ الخوارزمی کتاب الآثار للشیبانی سے نقل کرتے ہیں:

"أَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ أَنَّهُ کَانَ یَمْسَحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ" (جامع المسانید: ١/٢٨٩)

جبکہ کتاب الآثار میں ہے:

"أَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ أَنَّهُ کَانَ یَمْسَحُ عَلَی الْجُرْمُوْقَیْنِ" (کتاب الآثار، رقم: ١٤)

اسی طرح استحاضہ کے بارے میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت بحوالہ محمد بن المظفر اور ابن خسرو کتاب الآثار سے روایت لائے ہیں جو حسبِ ذیل سند سے ہے:

"أَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ أَیُّوْبَ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ یَحْیٰی بْنِ أَبِيْ کَثِیْرٍ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أُمِّ حَبِیْبَةَ" (جامع المسانید: ١/٢٦٧)

جبکہ کتاب الآثار رقم (٥٠) میں امام محمد اسے بغیر واسطہ امام ابو حنیفہ لائے ہیں

اور مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

”لَا يَكَادُ يَصِحُّ رِوَايَةُ الْإِمَامِ عَنْ أَيُّوبَ“ (شرح كتاب الآثار، ص: ٨٩)

”امام صاحب کی ایوب سے روایت صحیح نہیں ہے۔“

یعنی وہ امام محمد کے استاد ہیں، امام صاحب کے نہیں۔ شیخ ابن خسرو نے مسند الامام میں دو احادیث بواسطہ ”مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عُتَبَةَ“ ذکر کی ہیں، ایک یہی استحاضہ کے بارے میں اور دوسری طلق کی روایت کہ شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، یہ جسم کا حصہ ہے۔ (مسند لابن خسرو، رقم: ١٤، ١٥)

جب کہ یہ دونوں احادیث امام محمد براہ راست، بغیر واسطہ امام صاحب، ایوب بن عتبہ سے لائے ہیں۔ دیکھیے: الآثار (رقم: ٥٠)، موطا إمام محمد (رقم: ١٣، ص: ٢٢٩ إدارة الثقافة)

جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ الخوارزمی نے مکھی پہ مکھی ماری ہے، وہ محض ناقل ہیں اور بسا اوقات نقل میں بھی خطا کر جاتے ہیں۔

یہ بھی یہاں ملحوظ رہے کہ شیخ الخوارزمی اسی حدیثِ استحاضہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”أَخْرَجَهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِي الْآثَارِ، فَرَوَاهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، ثُمَّ قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهِ نَأْخُذُ“ (الجامع المسانيد: ٢٦٧/١)

مگر اس سند سے یہ روایت کتاب الآثار میں قطعاً نہیں۔ مولانا ابو الوفاء رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: شاید یہ کتاب الآثار کے نسخوں میں ساقط ہوگئی ہے۔

یہ روایت کتاب الآثار اور جامع المسانید میں "أم حبيبة بنت أبي سفيان" سے، جبکہ ایوب کے علاوہ یہ روایت معمر، ابان، ہشام الدستوائی بھی یحییٰ بن ابی کثیر سے کرتے ہیں اور وہ "أم حبيبة بنت جحش" کا نام لیتے ہیں۔

(بيهقي: ١/٣٥١، العلل للدارقطني: ١٥/٣٨٤)

نیز ابوسلمہ بن عبدالرحمان کا حضرت ام حبیبہ سے سماع نہیں، جیسا کہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ (المراسيل، ص: ٢٥٦، العلل لابن أبي حاتم، رقم: ١١٩، تهذيب: ١٥/٣٢٢) مگر یہ شیخ الخوارزمی کا موضوع نہیں۔

شیخ الخوارزمی نے امام صاحب کے فضائل ومناقب میں لکھا ہے:

"إِنَّهُ أَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِيعَةِ وَرَتَّبَهُ أَبْوَابًا ثُمَّ تَابَعَهُ مَالِكٌ"

(جامع المسانيد: ١/٣٤)

"امام صاحب علمِ شریعت کے پہلے مدون ہیں اور امام مالک نے موطا میں انھی کی پیروی کی ہے۔"

ان کا یہ دعویٰ محض عقیدت پر مبنی ہے۔ جن حضرات نے سب سے پہلے احادیث مدون کرنے یا ابواب میں احادیث مرتب کرنے کا ذکر کیا ہے انھوں نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ مثلاً: الفهرسة لابن النديم، تدريب الراوي، تنوير الحوالك، مقدمه فتح الباري، الجامع للخطيب، المحدث الفاصل وغیرہ۔ اسی طرح اس فقیر کے مقالات کی جلد: ۳ میں بھی اس دعویٰ کی حقیقت بیان کر دی گئی ہے، شائقین اس کی مراجعت فرمائیں۔

اسی نوعیت کے اور بھی تسامحات ہیں جو خطیبِ خوارزم سے سرزد ہوئے ہیں، بلکہ ان مسانید سے روایات نقل کرنے میں بھی ان سے تسامحات ہوئے ہیں مگر ہمارا مقصد یہ نہیں، بلکہ یہ ذکر کرنا ہے کہ انھوں نے بعض "مجهولون" کے جواب میں

مذہبی جوش و جذبے کے تحت جامع المسانید میں پندرہ مسانید کو جمع کیا۔ حدیث سے ان کی دلچسپی کتنی تھی، ہماری ان چند گزارشات سے اس کی قلعی کھل جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ''خطیب'' تھے، ''محدث'' نہیں تھے۔ یہی خطیب صاحب امام صاحب کے مناقب میں معروف موضوع روایت: ''أَبُوْ حَنِيْفَةَ سِرَاجُ أُمَّتِيْ'' سے امام صاحب کے ذکرِ خیر کا آغاز کرتے ہیں اور اپنے جدِ اعلیٰ ''العلامة أخطب خطباء الشرق والغرب صدر الأئمة أبو المؤيد موفق بن أحمد المكي'' کے قصیدے کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ (مقدمہ، ص: ۳) گویا یہ خاندانی خطیب ہیں۔ جدِ اعلی نے ''المناقب'' پر کتاب لکھی اور انھوں نے ''جامع المسانيد'' لکھ کے مسلکی حمیت کا ثبوت دیا، جب کہ امرِ واقع یہ ہے کہ موفق مکی اگرچہ زمخشری کا تلمیذ ہونے کے ناتے ادیب اور معتزلی تھا مگر اس کے علاوہ وہ رافضی بھی تھا، جس کا اعتراف المناقب کا اختصار کرنے والے شیخ کردری نے بھی کیا: ''اَلْمُعْتَزِلِيُّ الْقَائِلُ بِتَفْضِيْلِ عَلِيٍّ عَلَى كُلِّ الصَّحَابَةِ'' کہ وہ معتزلی تھا اور تمام صحابہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا تھا۔ (المناقب للكردري: ۸۸/۱) اسی نے ''فضائل علی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے اپنے رافضی ہونے کا ثبوت دیا۔ ملاحظہ ہو: ترجمہ ''حسن بن غفير'' (لسان: ۲/ ۲۴۳، ۲۴۴) اس کی یہ کتاب مطبع حیدریہ نجف اشرف، عراق سے دوسری بار ایک رافضی محمد رضا موسوی کے مقدمہ اور حواشی سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی اور ٹائٹل پر مصنف کے نام کے ساتھ ''الحنفي'' ہونے کی بھی صراحت کی گئی۔ شیخ ابو غدہ نے ذکر کیا ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے، غالی شیعہ ہے اور اس پر رافضی ہونے کا اطلاق ہوتا ہے۔

(حاشية الرفع والتكميل ص: ۱۱۲، مقدمه فتح الباري ص: ۴۵۹)

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (تحفة اثنا عشريه، ص: ۳۴۰، ۳۴۱) باب ہفتم، در امامت

حدیث ہفتم کے تحت اس کے غالی زیدی ہونے اور اہلِ سنت کے ہاں اس کی ذکر کی ہوئی روایات کے ناقابلِ قبول ہونے کا ذکر کیا ہے۔ منہاج الکرامہ کا رافضی مصنف اس کی عبارتوں کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے، جس کے جواب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ جھوٹی روایات نقل کرتا ہے۔

"لَيْسَ هُوَ مِنْ عُلَمَاءِ الْحَدِيْثِ وَلَا مِمَّنْ يُرْجَعُ إِلَيْهِ فِي هَذَا الشَّأْنِ أَلْبَتَّةَ" (منهاج السنة: ٤٢/٥)

"وہ علمائے حدیث میں سے نہیں اور نہ یقیناً اس عظیم الشان علم میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔" (نیز دیکھیں: ٦٢/٧، ٩٦، ٤٠١، ٤٠٣)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: "خَطِيْبُ الْخَوَارِزْمِ فَلَيْسَ حُجَّةٌ بِالْاِتِّفَاقِ" (المنتقى، ص: ٤٧٠) کہ خطیب خوارزم بالاتفاق حجت نہیں۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: اس کتاب (مناقبِ اہلِ بیت) میں جھوٹی روایات ہیں۔

چنانچہ جیسے اس نے "فضائل علی" اور "مناقب اہل البیت" لکھ کے روافض کو خوش کیا، اسی طرح امام صاحب کے مناقب لکھ کے حنفیوں کو خوش کیا اور "پدرم سلطان بود" کے مطابق شیخ الخوارزمی نے اپنے جدِ اعلیٰ کو "صدر الائمہ" کے لقب سے نوازا۔ حالانکہ اس کی یہ کتابیں موضوعات کا پلندہ ہیں۔

شیخ الخوارزمی نے جامع المسانید میں جن مسانید کی مرویات جمع کی ہیں ان میں اکثر و بیشتر بجائے خود اس قابل نہیں کہ ان کو مرجع بنایا جائے۔ ان کا بنیادی ماخذ الحارثی اور ابن خسرو کی مسانید ہیں، اول الذکر متہم بوضع الحدیث اور ثانی حاطب اللیل اور علمِ حدیث سے بے خبر تھا۔ ایک صاحب عمر بن الحسن ابو الحسن الاشنانی ہیں جس کے بارے میں علامہ کوثری نے اعتراف کیا ہے کہ اسے امام دارقطنی نے ضعیف اور حاکم

نے کذاب کہا ہے۔ (تانیب: ص: ۹۰، ۹۳) حسن بن زیاد لؤلوی بھی مشہور کذاب ہے۔ طلحہ بن محمد بھی ضعیف اور داعی الی الاعتزال تھا۔ ان اصحاب المسانید کے علاوہ یہ بات بجائے خود بحث طلب ہے کہ ان حضرات کی امام صاحب تک اسانید کی پوزیشن کیا ہے۔ بلاریب وہ اکثر مجاہیل، ضعفاء بلکہ متروک وکذابین پر مشتمل ہیں جس کا کچھ تذکرہ ان شاء اللہ آیندہ آئے گا اور اسی حقیقت کے تناظر میں شاہ ولی اللہ نے جامع المسانید کو چوتھے طبقے کی کتب میں شمار کیا۔ بلکہ شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں:

''یہ امر ہر عقل مند جانتا ہے کہ کسی شخص کی مرویات اس وقت تک رطب ویابس یعنی صحیح وضعیف کا مجموعہ رہتی ہیں جب تک وہ شخص، جس کی بزرگی وفضیلت کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں، خود اس مخطوط کو چند دفعہ گہری نظروں سے مطالعہ کر کے متمیز نہ کر دے اور جب تک وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم نہ کرے۔ کسی قسم کا اعتماد اور بھروسا نہیں ہوسکتا۔''

(بستان المحدثین، ص: ۵۳)

کیا امام صاحب کی طرف منسوب ان مسانید کی پوزیشن قابلِ بھروسا ہے؟

اس لیے انھیں امام صاحب کی مسانید باور کروانا ایسے ہی ہے جیسے مسند احمد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرویات کو مسند ابوبکر کہا جائے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے۔



الموسوعة الحديثية

اب ماضی قریب میں ''علامہ محدث محقق شیخ لطیف الرحمان قاسمی صاحب حفظہ اللہ''
نے ''الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفة'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے، جس میں ان پندرہ مسانید کے علاوہ، جنھیں علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید میں جمع کیا ہے، دیگر جن کتابوں میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات ہیں ان سب کو اس الموسوعہ میں جمع کر دیا ہے۔ ان کے ان مراجع کی تعداد ۱۰۴ ہے اور یہ بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس الموسوعہ میں کل ۱۰۵۸۸ مرویات ہیں۔ جس کی پہلی تین جلدیں تو بطورِ مقدمہ کے ہیں اور آخری پانچ جلدیں فہارس پر مشتمل ہیں۔

کتاب کا نام ''الموسوعة الحديثية لمرويات الإمام أبي حنيفة'' ہے مگر اس میں صرف ان کی مروی احادیث و آثار ہی نہیں، بلکہ ان کے اپنے اقوال و افعال بھی درج کر دیے گئے ہیں، حتی کہ ان کی زندگی کے واقعات و حالات بھی منقول ہیں۔

علامہ قاسمی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مروی احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کرنے کی فکر بعض علمائے متاخرین کو تھی۔ چنانچہ مختلف دواوینِ سنت سے پہلے مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے انھیں جمع کیا اور اس میں انھوں نے ۱۵۵ احادیث و آثار جمع کیے جو ''مسند الإمام الأعظم أبي حنيفة'' کے نام سے مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ سے طبع ہوئی۔

ایک دوسرے صاحب مولانا فخر الدین الغلانی نے ''سعي السلام بجمع

أحاديث أبي حنيفة الإمام" کے نام سے ایک مجموعہ لکھا جس میں ۲۳۱ احادیث ہیں۔ اس کے بعد اس فقیر (علامہ قاسمی) نے مولانا نعمانی رحمہ اللہ کے اشارے پر یہ مجموعہ "المجموعة الحديثية لجميع مرويات الإمام أبي حنيفة" کے نام سے مرتب کیا۔

قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ مولانا فخر الدین کی کتاب میں امام صاحب کی کل ۲۳۱ احادیث ہیں اور مولانا نعمانی کے مجموعہ میں ۱۵۵ احادیث و آثار امام صاحب کے درج کیے ہیں۔ امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الآثار میں کل احادیث و آثار ۹۱۶ ہیں، جن میں وہ روایت بھی ہیں جنھیں امام محمد نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے مشایخ سے روایات کیا ہے اور ان میں مرفوع روایات تقریباً ۱۰۹ ہیں۔ اسی طرح قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار ہیں کل ۱۰۶۰ احادیث و آثار میں اور اس میں وہ روایات بھی شامل ہیں جو قاضی ابو یوسف نے امام صاحب کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بیان کی ہیں۔

علاوہ ازیں جامع المسانید میں شیخ الخوارزمی نے جن پندرہ مسانید سے روایات ذکر کی ہیں ان کی کل تعداد ۱۷۷۸ ہے جیسا کہ جامع المسانید، مطبوعہ مکتبہ حنفیہ، کوئٹہ کے نسخے سے معلوم ہوتا ہے اور ان میں امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی الآثار کی مرویات بھی ہیں اور اس (۱۷۷۸) تعداد میں مرفوع کے علاوہ موقوف روایات بھی ہیں۔

مگر علامہ قاسمی صاحب "الموسوعة الحديثية" میں یہ تعداد (۱۰۵۸۸) نقل کر رہے ہیں۔ تو کیا یہ تعداد روایات کی ہے؟ قطعاً نہیں، بلکہ ان میں موقوف حتی کہ امام صاحب کے اقوال و افعال اور ان کے نام سے اگر کسی نے کوئی بات کہی ہے تو انھیں بھی اس میں شمار کر دیا گیا ہے۔ امام صاحب اور قدریہ جہمیہ وغیرہ کے مابین گفتگو بھی اس میں شامل ہے۔ احادیث میں تکرار اس پر مستزاد ہے اور ان کی اسانید

سے صرفِ نظر ایک الگ مستقل مسئلہ ہے۔

مکرر احادیث کی چند مثالیں:

چنانچہ "باب ما جاء في الإيمان بالقدر" کے تحت (رقم: ۱۳۶، ۱۳۷) قاضی ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ کی سند "عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ" سے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ)) اور ساتھ ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴾ [الليل: ٥، ٦] آخر تک تلاوت فرمائی۔ یہ روایت المسند للحارثي، المسند لطلحة بن محمد، المسند لابن المظفر، المسند لمحمد بن عبد الباقي، المسند لابن المقرئ، المسند لأبي نعيم، المسند لابن خسرو اور بعض دیگر کتابوں میں بھی منقول ہے۔ یوں یہ روایت آخر باب تک رقم: ۱۷۵ پر مشتمل ہے۔ گویا علامہ قاسمی صاحب نے ایک ہی حدیث کو تقریباً چالیس ۴۰ نمبروں میں ذکر کیا ہے۔ اس میں مزید تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض مسانید میں ان کے مرتبین نے اسے امام احمد رحمہ اللہ کے واسطے سے ذکر کیا تو انھیں بھی نمبر بڑھانے کے لیے مکرر ذکر کیا گیا ہے۔ (دیکھیں رقم: ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱٦٤، ۱٦۹) امام طبرانی رحمہ اللہ نے یہ روایت بشر بن موسیٰ اور بشر ہی کے واسطے سے امام بیہقی رحمہ اللہ اور بعض دیگر متاخرین نے بیان کی تو اسے بھی چار نمبروں میں تقسیم کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو رقم: ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷٤، ۱۷۵) حتی کہ امام ابو نعیم نے "معرفة الصحابة" (۱٤۲۱/۳) میں اپنی سند سے بواسطہ زہیر عن ابی الزبیر عن جابر سے یہ روایت مختصر ذکر کر کے فرمایا:

"رَوَاهُ رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ وَأَبُو حَنِيفَةَ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى وَزَيْدُ بْنُ

أَبِي أُنَيْسَةَ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنِ الزُّبَيْرِ"

تو علامہ قاسمی صاحب نے اس پر بھی نمبر ۱۷ لگا دیا، محض اس لیے کہ امام نے کہا ہے کہ اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی روایت کرتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ معرفۃ الصحابۃ میں اسی طرح "عن الزبیر" غلط لکھا ہوا ہے تو علامہ صاحب نے اسے "کمال دیانت داری" سے "عن الزبیر" ہی رہنے دیا۔ کیا وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ یہ دراصل "عن أبي الزبیر" ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ اسے ابو الزبیر سے ہی روایت کرتے ہیں؟ مزید برآں اس سے قبل (رقم: ۱۷۰) امام ابو نعیم رحمہ اللہ کی اخبار اصبہان سے اور رقم (۱۶۳) پر امام ابو نعیم کی مسند الامام ابی حنیفہ سے یہ روایت بالکل ایک ہی سند سے نقل کی ہیں۔

علامہ قاسمی صاحب نے محض دو کتابوں کی بنا پر ان پر دو علیحدہ علیحدہ نمبر لگائے ہیں۔ بتایئے "العلامة المحدث المحقق" کے علم و فضل کی معراج کیا ہے؟

اس پر مستزاد یہ کہ امام ابو نعیم رحمہ اللہ کی مسند الامام سے "رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ نَحْوَهُ" تو انھوں نے نقل کر دیا مگر اس سے چھے سطر پہلے جو انھوں نے فرمایا: "وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ فِي هَذَا التَّفْسِيرِ فَلَمْ يَرْوِهِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ غَيْرُ أَبِي حَنِيفَةَ" کہ یہ اضافہ اس تفسیر میں ابو الزبیر سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ اور کسی نے نہیں کیا، اسے نظر انداز کر دیا۔ آخر کیوں؟

دوسری مثال:

"الموسوعة الحديثية" کے "باب في قوله تعالىٰ: ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [بني إسرائيل: ۷۹] کے تحت پہلے حدیث (۴۲۲۔ ۴۲۶) تک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل ہوئی ہے جسے امام صاحب نے

"عبد العزيز بن رفيع عن مصعب بن سعد عن أبيه سعد" سے روایت کیا ہے اور ان پانچوں میں امام صاحب سے روایت کرنے والے محمد بن الحسن، ان سے احمد بن الحارث، پھر ان سے سوادۃ بن علی ہیں۔ علاوہ ازیں حافظ ابن المظفر نے اسے محمد بن محمد بن سلیمان سے اور ابن خسرو نے بھی اسی محمد کے واسطے سے اسے روایت کیا۔ مگر اس کے بعد دونوں کا نمبر جدا جدا ہے۔

اسی باب میں یہ روایت مفصل "أبو حنيفة عن عطية العوفي عن أبي سعيد" اور "أبو حنيفة عن شداد بن عبد الرحمن عن أبي سعيد الخدري" کی سند سے مروی ہے۔

یوں یہ حدیث (۴۲۷-۵۰۶) تک المسند للحارثي، المسند لطلحة بن محمد، المسند لابن المقرئ وغیرہ کتب کے حوالے سے نقل کی گئی ہیں۔ درمیان میں صرف ۵۰۳ پر ایک موقوف اثر ہے اور اس میں "محمد بن عمر الأسلمي" ہے جو "واقدی" لقب سے معروف ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ امام صاحب کے صاحبزادے حماد نے اسی روایت میں "أبو رؤبة يحيى" کو امام صاحب کا استاد بتایا ہے۔ جیسا کہ الموسوعہ (۴۹۲) اور المسند لابن خسرو (۱۲۱۵) میں ہے۔ جب کہ ابو رؤبۃ، شداد بن عبدالرحمان ہیں۔ جیسا کہ خود علامہ قاسمی نے (۱۷/۸۰)، (۱۸/۴۱۸) اور (۱/۱۵۰) میں کہا ہے مگر الموسوعة اور المسند میں انھوں نے "أبو رؤبة يحيى" ہی برقرار رکھا ہے۔

تیسری مثال:

اسی طرح "بَابُ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يُسِّرَ لِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ" میں "أبو حنيفة عن عبد العزيز بن رفيع عن مصعب بن سعد عن

أبيه" کی سند سے جو روایت ہے یہ (۱۷۶-۲۲۴) تک اسی سند سے مختلف حوالوں سے منقول ہے اور یہ روایت اس سند سے غریب ہے۔

چوتھی مثال:

اسی قسم کا معاملہ کتاب الایمان "بَابُ مَا جَآءَ فِيُ أَرُكَانِ الُإِيُمَانِ وَالُإِسُلَامِ" کے تحت کتاب الآثار لمحمد بن حسن کے حوالے سے "أبو حنيفة حدثنا علقمة بن مرثد الحضرمي عن يحيي بن يعمر عن ابن عمر" کی سند سے حدیث کا ہے جسے حدیث نمبر (۵-۵۵) تک اسی سند سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہے؟

اس سے اور اس سند میں اختلاف سے قطع نظر یہ بھی دیکھیے کہ یہ روایت نوح بن ابی مریم، امام صاحب سے بواسطہ "حماد عن إبراهيم عن علقمة عن ابن مسعود" روایت کرتا ہے (رقم: ٦) جب کہ نوح بن ابی مریم کے بارے میں ہے: "كَذَّبُوُهُ فِيُ الُحَدِيُثِ، وَقَالَ ابُنُ الُمُبَارَكِ كَانَ يَضَعُ" (تقريب، ص: ٣٦٠) کہ محدثین نے حدیث میں اس کی تکذیب کی ہے اور امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ جب کہ امام ابونعیم رحمہ اللہ نے مسند الامام (رقم: ٩٣) میں اسے "النضر بن عبد الله الأزدي عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن عبد الله بن مسعود" بیان کیا ہے اور نوح بن ابی مریم کے اختلاف کو ذکر کیا ہے جب کہ النضر بن عبداللہ کی بھی توثیق ثابت نہیں۔

(الموسوعة: ٢٩/٤، رقم: ٤٧)

پانچویں مثال:

یہی صورتِ حال اس کے بعد حدیث (۵۶) کی ہے جو حدیث (۸۱) تک

ایک ہی سند "أبو حنيفة عن عبد الله بن أبي حبيبة عن أبي الدرداء" سے مروی ہے۔

چھٹی مثال:

اس کی ایک اور مثال دیکھیں: "بَابُ تَرْكِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" کے تحت (حدیث: ۱۲۷۲۔۱۳۱۴)، صفحہ (۲۰۰۔۲۱۵) تک ایک ہی حدیث: "أبو حنيفة عن داود بن عبد الرحمان عن شرحبيل عن أبي سعيد الخدري" مروی ہے۔ البتہ امام صاحب کے استاد میں شدید اختلاف ہے کہ وہ داود بن عبدالرحمان ہے کہ عبدالرحمان بن زاذان یا عبدالرحمان بن الرداد یا ابن رواد یا عبدالرحمان بن زیاد وغیرہ کون ہے؟ فاعتبروا يا أولي الأبصار

اسی طرح دیکھیے رقم: (۱۴۳۷۔ ۱۴۶۲)، (۱۳۴۱۔ ۱۴۲۱)، (۱۷۱۶۔ ۱۷۷۳)، (۱۷۹۲۔ ۱۸۱۰)، (۱۹۲۰۔ ۲۰۲۰)، (۲۱۵۷۔ ۲۱۹۶) تک ایک ہی سند سے حدیث مروی ہے۔ اور اس قسم کی مزید دسیوں مثالیں موجود ہیں مگر ان کا استیعاب مقصود نہیں۔ جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ علامہ قاسمی صاحب نے امام صاحب کی مرویات کے نمبر بڑھانے کے لیے کیا ہوشیاری یا حکمتِ عملی اختیار کی ہے۔

امام صاحب اگر انھیں مختلف اسانید سے روایت کرتے تو وہ سب ان کی مرویات شمار ہوتیں۔ مگر یہ اختلافِ سند تو ان سے بعد کی اسانید میں ہے۔ اس لیے انھیں امام صاحب کی مرویات باور کرنا محض چابک دستی کا نتیجہ ہے۔

قلیل الروایۃ کا سبب:

علامہ قاسمی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام صاحب کے قلیل الروایہ ہونے کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ وہ قلیل الاداء اور کثیر التحمل تھے۔ ان کی بہ کثرت احادیث

اس سے معلوم ہوتی ہیں کہ انھوں نے اپنے بیٹے حماد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں نے جن پانچ لاکھ احادیث کو جمع کیا ہے ان میں سے پانچ احادیث پر عمل کرو۔ (مقدمہ ''موسوعۃ''، ص: ۴۰، ۴۱) مگر افسوس کہ اس وصیت کا کوئی حوالہ انھوں نے نہیں دیا، حتیٰ کہ ''الموسوعۃ'' (جلد: ۱۵) میں کتاب الوصایا کے تحت بھی انھوں نے اسے ذکر نہیں کیا۔ الموسوعۃ میں امام صاحب کے معمولات تک کا ذکر ہے، مگر اس وصیت نامے کا ذکر کیوں نہیں؟ شیخ موفق المکی نے المناقب کے ''الباب الخامس والعشرون'' (۱۰۱/۲۔ ۱۱۹) میں امام صاحب کی وصیتوں کا ذکر کیا ہے جس میں یوسف بن خالد السمتی، قاضی ابو یوسف کے بارے میں وصیتیں مذکور ہیں، مگر اس میں بھی بیٹے کے نام اس وصیت کا کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ ہی شیخ الکردری نے المناقب میں امام صاحب کے وصایا کے تحت اس کا ذکر کیا ہے، بلکہ انھوں نے تو امام صاحب کی کتاب الوصیۃ کا ذکر ہی نہیں کیا۔

کتاب الوصیۃ کس کی تصنیف ہے؟

''کتاب الوصیۃ'' کے نام سے کتاب بلاشبہہ امام صاحب کی طرف منسوب ہے، جس کے راوی حماد بن ابی حنیفۃ ہیں اور ان سے ان کے بیٹے اسماعیل روایت کرتے ہیں، جیسا کہ حاشیہ مقدمہ ''کتاب التعلیم'' (ص: ۱۹۱) سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے یہ کتاب درحقیقت اسماعیل بن حماد کی ہے۔

اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کا کردار:

جیسا کہ ''کتاب الحیل'' اسماعیل کی کتاب ہے جسے اس نے امام محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا تھا۔ چنانچہ ابن ابی العوام نے امام محمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''هَذَا الْكِتَابُ يَعْنِي كِتَابَ الْحِيَلِ لَيْسَ مِنْ كُتُبِنَا، إِنَّمَا أُلْقِيَ

فِيهَا، قَالَ ابْنُ أَبِي عِمْرَانَ: إِنَّمَا وَاضِعُهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ أَبِي حَنِيفَةَ" (فضائل أبي حنيفة، ص: ٣٦٥، رقم: ٨٧٢)

"یہ کتاب یعنی "کتاب الحیل" ہماری کتابوں میں سے نہیں، یہ ہماری کتابوں میں شامل کر دی گئی ہے۔ احمد بن ابی عمران نے کہا ہے کہ یہ اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی بنائی ہوئی ہے۔"

اسی حقیقت کا اظہار علامہ الذہبی نے "مناقب أبي حنيفة وصاحبيه" (ص: ٥٢) میں بھی کیا ہے اور یہ اس دور میں اہلِ علم کے ہاں "الحیل لأبي حنيفة" کے نام سے معروف تھی۔ علامہ کوثری نے جو اس سلسلے میں روایتی دجل کا اظہار کیا ہے اس کی تنقیح و تفصیل "التنکیل" (١/٤٣٩، ١٦٩) میں ملاحظہ فرمائیں۔

مگر شمس الائمہ السرخسی نے مبسوط (٣٠/٢٠٩) میں کہا ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ یہ امام محمد کی تصنیف ہے، لیکن امام محمد کی وضاحت زیادہ صحیح ہے۔

اسی طرح اسی اسماعیل نے ایک کتاب لکھی جو گالیوں سے بھری ہوئی تھی، چنانچہ ابن ابی العوام نے نقل کیا ہے:

"وَضَعَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادٍ كِتَابًا كَانَ سَبَاباً كُلَّهُ"

(فضائل أبي حنيفة، ص: ٣٧٠، ٣٧١، رقم: ٨٩٠)

اسماعیل بن حماد نے گالیوں سے بھری کتاب لکھی۔ یہ کتاب لکھنے کا باعث بھی سمجھ لیجیے کہ خلیفہ مامون کے پاس عیسیٰ بن ہارون وہ احادیث لے کر آئے جو اہل الرائے کے مسلک کے خلاف تھیں۔ مامون نے اسماعیل بن حماد، بشر مریسی، یحییٰ بن اکثم اور محمد بن سماعہ سے کہا: اگر تم اپنے اصحاب کے اقوال کے مطابق احادیث ثابت نہ کر سکے تو میں تمھیں ان اقوال کے مطابق فتویٰ دینے سے روک دوں گا۔ عیسیٰ بن ابان ان

سے کم عمر ہونے کی بنا پر ان کے ہمراہ نہ تھے، تاہم انھوں نے کتاب الصغیر لکھ کر مامون کو پیش کی، اسماعیل بن حماد نے گالیوں سے بھری کتاب لکھی اور باقی دونوں حضرات نے کچھ نہ کیا۔ (ملخصاً فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام) اس لیے یہ وصیت نامہ بھی اسی اسماعیل کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

اسماعیل بن حماد ضعیف ہے:

اسماعیل بن حماد اگرچہ بہت بڑے فقیہ تھے مگر محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے، چنانچہ امام صالح جزرہ نے فرمایا ہے: ''لَیْسَ بِثِقَةٍ'' یہی جرح امام مطین نے کی ہے۔ امام ابن عدی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن جوزی، حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے اسے الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور امام ابن عدی کا کلام نقل کیا ہے کہ اسماعیل، حماد، ابو حنیفہ تینوں ضعیف ہیں۔ یہ ضعیف ہی نہیں، بلکہ کہا کرتا تھا: قرآن مخلوق ہے، میرا اور میرے باپ دادا کا یہی دین ہے۔ امام مطین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے باپ اور دادا کے بارے میں یہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے ہم نواؤں کے ایامِ محنت میں یہ خلقِ قرآن کا داعی تھا۔ صرف یوسف بن قزغلی الواعظ سبط ابن الجوزی نے ''مرآۃ الزمان'' میں کہا ہے: ''اسماعیل ثقہ وصدوق تھا، خطیب کے علاوہ کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔'' مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسماعیل کو ضعیف انھوں نے کہا ہے جو خطیب سے زیادہ علم رکھتے ہیں، اس لیے اس کا یہ دعویٰ باطل ہے۔ ملاحظہ ہو: میزان (۲۲۶/۱)، لسان (۳۹۸/۱، ۳۹۹)، الکامل (۱۲۶/۲)، تاریخ بغداد (۲۴۳/۶)، الضعفاء لابن الجوزي (۱۱۰/۱)، المغني (۸۰/۱)، دیوان الضعفاء (۳۲) وغیرہ.

یوسف بن قزغلی سبط ابن الجوزی:

جہاں تک سبط ابن الجوزی کی توثیق کا تعلق ہے تو وہ اس لیے بھی قابلِ التفات

نہیں کہ خود یوسف سبط ابن الجوزی قابلِ اعتبار نہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا کہ ''مرآۃ الزمان'' میں اس نے منکر حکایات ذکر کی ہیں، میرا گمان یہ ہے کہ وہ نقل میں ثقہ نہیں۔ پھر وہ رافضی ہے اور اس بارے میں اس نے ایک کتاب لکھی تھی۔ الملک المعظم عیسیٰ بن سیف الدین حنفی کی رضا جوئی کے لیے وہ حنفی بنا اور مدرسہ حنفیہ کا مدرس بھی بنایا گیا۔ غالباً الملک المعظم کو خوش کرنے کے لیے ہی اس نے ''الانتصار لإمام الأئمة الأمصار'' لکھی۔ حافظ ابن رجب نے بھی کہا ہے کہ جو وہ نقل کرتا ہے وہ حجت نہیں۔ (میزان: ٤٧١/٤، لسان: ٣٢٨/٦، ذیل طبقات الحنابلة: ١٩٨/١ وغیرہ)

الملک المعظم عیسیٰ کی عصبیت:

یاد رہے کہ الملک المعظم عیسیٰ بن السلطان سیف الدین (المتوفی ۶۲۴ھ) بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے مگر حنفیت میں ان کے تعصب وتصلب کا یہ عالم تھا کہ ان کے والد نے ایک دن انھیں کہا کہ تم نے امام ابو حنیفہ کا مذہب کیسے اختیار کیا جب کہ تمھارا سارا خاندان شافعی مسلک پر ہے؟ تو انھوں نے کہا:

''أَتَرْغَبُوْنَ عَنْ أَنْ يَّكُوْنَ فِيْكُمْ رَجُلٌ وَّاحِدٌ مُسْلِمٌ''

(الفوائد البهية، ص: ١٥١)

کیا تم ناپسند کرتے ہو کہ تم میں ایک آدمی مسلمان ہو۔ (معاذ اللہ!) گویا شافعی مسلمان ہی نہیں۔ سارے شافعی خاندان میں بس وہی ایک حنفی ہو جانے کی وجہ سے مسلمان تھے۔ (سبحان اللہ)

اب اگر الملک المعظم کی رضا جوئی کے لیے سبط ابن الجوزی نے حنفی بن کے ''الانتصار'' مرتب کی اور امام صاحب کے پوتے کی اگر اس نے توثیق کی ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں؟ اسماعیل بن حماد کے جھوٹے ہونے کی اس سے بڑھ کر اور

کیا دلیل ہوگی کہ بسندِ صحیح اس سے منقول ہے کہ قرآن مخلوق ہے، یہی میرا، میرے باپ اور دادا کا دین تھا۔ (الكامل: ٢/١٢٥، السنة لعبد الله بن أحمد، رقم: ٢٢١، الانتقاء لابن عبد البر، ص: ٣١٨)

حالانکہ یہ امام صاحب کا آخری قول نہیں، انھوں نے فرمایا ہے کہ جو یہ کہتا ہے وہ کافر ہے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (تاريخ بغداد: ١٣/٣٧٧)

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں سال بھر اس بارے میں امام صاحب سے بات کرتا رہا کہ قرآن پاک مخلوق ہے یا نہیں، بالآخر ہمارا اتفاق ہو گیا کہ جو کہتا ہے قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (الأسماء والصفات: ١/٣٨٨)

نیز قاضی ابو یوسف سے پوچھا گیا: کیا ابو حنیفہ کہتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے؟ تو انھوں نے کہا: معاذ اللہ، میں بھی یہ نہیں کہتا۔ (الأسماء والصفات: ١/٣٨٨)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ یہی قول انھوں نے اپنی دوسری کتاب ”الاعتقاد“ (ص: ٣٩) میں بھی نقل کیا ہے۔ بشر بن الولید کے سامنے جب اسماعیل نے یہ کہا کہ میری اور میرے آباء و اجداد کی رائے یہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے تو بشر بن ولید نے کہا: تمھاری تو یہ رائے ہے، لیکن تیرے آباء و اجداد کی یہ رائے نہیں۔ (الانتقاء، ص: ٣١٨)

امام مطین کے حوالے سے بھی پہلے گزرا ہے کہ اسماعیل نے یہ جھوٹ بولا ہے۔ (لسان: ١/٣٩٩ نیز دیکھیں: تاريخ بغداد: ١٣/٣٣٧، ٣٧٨) اس لیے اسماعیل کے متروک اور جھوٹے ہونے میں اس کا یہی قول کافی ہے، کیونکہ اس نے یہ امام صاحب کی وفات کے بعد کہا ہے۔

بصورتِ دیگر تسلیم کرنا ہوگا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ

بھی جہمی اور خلقِ قرآن کے قائل تھے۔

کثیر الحدیث ہونے کی دوسری دلیل کا جائزہ:

علامہ قاسمی صاحب نے حافظ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ النیسابوری رحمہ اللہ کی ''مناقب ابی حنیفہ'' کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''یحییٰ بن نصر بن حاجب فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے سنا، فرماتے تھے کہ میرے پاس کئی صندوقوں میں احادیث کی کتابیں ہیں، مگر میں نے ان سے چند احادیث کو نکالا ہے جن سے مستفید ہوتا ہوں۔ اور ''المسند للحارثي'' (١٥١٥) میں ہے کہ یحییٰ بن نصر نے کہا کہ میں نے امام صاحب کا گھر کتابوں سے بھرا پایا تو میں نے عرض کی: یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ تمام احادیث ہیں، میں ان میں سے کم احادیث بیان کرتا ہوں جو مفید ہوتی ہیں۔'' (مقدمة الموسوعة: ٤٢/١)

عرض ہے کہ امام النیسابوری (المتوفی ٢٩٨ھ) کے حوالے سے یہی بات شیخ موفق المکی نے مناقب (٩٥/١، ٩٦) میں نقل کی ہے مگر اس کی مکمل سند نقل نہیں کی۔ اس لیے یہ قول محلِ نظر ہے۔ علاوہ ازیں یحییٰ بن نصر بن حاجب بجائے خود متکلم فیہ ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اگرچہ اسے ''لَا بَأْسَ بِهِ'' اور ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے، مگر ابو زرعہ رحمہ اللہ نے ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' ابو جعفر عقیلی نے منکر الحدیث کہا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: وہ جہمی تھا۔ اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''عِنْدِي بَلِيَّتُهُ قِدَمُ رِجَالِهِ'' حافظ ذہبی نے اسے المغني (٧٤٥/٢) اور دیوان الضعفاء (ص: ٣٤٠) میں ذکر کیا ہے اور امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے: ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' حافظ ابن الجوزی نے بھی الضعفاء (٢٠٤/٣) میں امام ابو زرعہ کا قول نقل کر کے اس کی تضعیف کی ہے۔ بلکہ جب امام ابن ابی حاتم نے امام ابو زرعہ رحمہ اللہ سے

اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ "لَيْسَ بِشَيْءٍ" ہے، اپنے والد صاحب سے پوچھو جس نے رے اور بغداد میں اس کی احادیث لکھیں ہیں۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: میں نے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے۔ (الجرح والتعديل: ٩/١٩٣، الكامل: ١٠/٦٣٧، الضعفاء: ٦/٤٣٤، ميزان: ٤/٤١١، لسان: ٦/٢٧٨ وغيره)

امام ابو حاتم کا فرمانا: "عِنْدِيْ بَلِيَّتُهُ قِدَمُ رِجَالِهِ" میرے نزدیک اس کی مصیبت یہ ہے کہ وہ قدیم راویوں سے روایت کرتا ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ جب اس نے ہلال بن خبّاب اور اسحاق بن سوید سے احادیث بیان کیں تو اس کا معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا اور لوگ اس سے ڈھیلے پڑ گئے اور بہت کم لوگ باقی رہ گئے تو وہ عراق چلا گیا۔ (تاريخ بغداد: ١٤/١٥٩، تاريخ الإسلام، ص: ٤٤٨، الطبقة: ٢٢)

جس سے اس کا ضعف بالکل نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہی وہ راوی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کرتا ہے:

"إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ. قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلَا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ؟ قَالَ: وَلَا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ" (الكامل لابن عدي)

"جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں، عرض کی گئی: یارسول اللہ! صبح کی دو رکعتیں بھی نہیں؟ فرمایا: دو رکعتیں صبح کی بھی نہیں۔"

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے یحییٰ بن نصر کی منکرات میں شمار کیا ہے اور علمائے احناف یحییٰ کی بنا پر اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: إعلاء السنن: ٧/٩٤، آثار السنن، ص: ١٨٢. ط: ملتان، الموسوعة الحديثية: ١٨/٣٦٩)

اس لیے اولاً تو اس کی سند مذکور نہیں، ثانیاً: یحییٰ بن نصر ''لَیْسَ بِشَيْءٍ'' ہے، لہٰذا یہ قول ہی صحیح نہیں۔

یہی پوزیشن دوسرے قول کی ہے، کیونکہ اسے بھی یحییٰ بن نصر ہی بیان کرتے ہیں۔ باقی سند بھی محلِ نظر ہے۔ اس لیے جب ان اقوال کی سند ہی قابلِ اعتماد نہیں تو انھیں امام صاحب کی کثرتِ حدیث کے ثبوت میں کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں علامہ القاسمی حفظہ اللہ نے اسی سلسلے میں نقل کیا ہے کہ محمد بن شجاع کی تصانیف میں ستر ہزار سے اوپر احادیث تھیں اور امام صاحب نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے۔ (مقدمة الموسوعة، ص: ٤٢)

اولاً: عرض ہے کہ محمد بن شجاع الثلجی اگرچہ حنفی فقیہ اور بڑے نیک اور عبادت گزار تھے، مگر بشر مریسی کے تلمذ میں جہمی تھے اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کہتے تھے، حتی کہ انھوں نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ جو قران کو مخلوق نہ کہے اسے میرے تیسرے حصے کے ترکہ میں سے کچھ نہ دیا جائے۔ اس کے اسی عقیدے کی بنا پر ہی غالباً امام القواریری رحمہ اللہ نے اسے کافر کہا ہے۔ امام زکریا ساجی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ کذاب ہے اور اپنے مذہب کی تائید میں اور احادیث کی مخالفت میں احادیث گھڑتا تھا۔ امام الازدی اور امام موسیٰ بن قاسم الأشیب نے بھی اسے کذاب کہا ہے۔ یہی وہ شخص تھا جو کہتا تھا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس زندیقوں کی کتابیں ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ کے تلامذہ اس لائق ہیں کہ انھیں ذبح کر دیا جائے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں:

الکامل (٤٢٣/٩)، میزان (٥٧٧/٣)، تاریخ بغداد (٣٥٠/٥)، تهذیب (٢٢٠/٩)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے متروک کہا ہے۔ (تقریب: ٣٠١) اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے المغني (٥٩١/٢)، دیوان الضعفاء (ص: ٢٧٥) میں ذکر کیا ہے، اور امام ابن عدی رحمہ اللہ

کی یہ جرح نقل کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہ کے بارے میں احادیث وضع کر کے محدثین کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اس کی اسی کرتوت کی بنا پر علامہ برہان الدین الحلبی نے اسے "الکشف الحثیث عمن رمي بوضع الحدیث" (ص: ۳۷۹) میں اور انہی سے علامہ ابن عراق رحمہ اللہ "تنزیه الشریعة" (۱/۱۰۶) میں اور علامہ طاہر پٹنی نے قانون الموضوعات (ص: ۲۹۱) میں اسے وضاع قرار دیا ہے۔ تو کیا ایسے کذاب اور وضاع کی کتاب میں ستر ہزار سے زائد کیا اگر ان میں ایک لاکھ بھی ہوں تو ان کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ البتہ جہمیوں اور کچھ حنفیوں کے نزدیک وہ معتبر ہے!

کند با جنس خود ہر جنس پرواز   کبوتر با کبوتر باز با باز

مگر اس تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

رہی یہ بات کہ امام صاحب نے چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار منتخب کی ہے۔ تو سوال یہ ہے پہلے جو یحییٰ بن نصر کے حوالے سے نقل ہوا ہے کہ میں امام صاحب کے گھر حاضر ہوا تو وہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ تو کیا ان تمام کتابوں میں بس یہی چالیس ہزار احادیث تھیں؟ ﴿ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ﴾ [المائدة: ۸]

مزید یہ کہ یہ قول خطیب موفق مکی نے بغیر کسی سند کے ذکر کیا ہے، اس لیے بھی یہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

جہاں تک کتاب الآثار کے انتخاب کی بات ہے تو اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ اس میں ابوسفیان، طریف بن شہاب، ایوب بن عتبہ، ابان بن ابی عیاش، محمد بن زبیر، جراح بن منہال، سعید بن المرزبان، مسلم بن کیسان اعور، ابراہیم بن یزید المکی، محمد بن عبیداللہ العزرمی، ابو ماجد الحنفی، یحییٰ بن عبداللہ، حنظلہ بن نباتہ جیسے ضعیف متروک راویوں کے علاوہ مبہم اور مجہول راویوں سے بھی روایات درج ہیں، بلکہ ان

سے استدلال کیا گیا ہے۔ شائقین اس کی تفصیل اس ناکارہ کے مقالات (۸۰/۳ تا ۱۶۷) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک عجیب استدلال:

ایک طرف علامہ قاسمی فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی باکثرت روایات ہیں مگر انھوں نے انھیں بتمام وکمال بیان نہیں کیا، چنانچہ وہ "کَثِیْرُ التَّحَمُّلِ قَلِیْلُ الْأَدَاءِ" تھے۔ (ص: ٤٠) دوسری طرف فرماتے ہیں: "وَیَشْهَدُ عَلَی کَثْرَةِ أَحَادِیْثِهِ أَیْضاً کَثْرَةُ مَسَانِیْدِهِ الخ" (ص: ٤٢) کہ ان کی باکثرت احادیث ہونے کی شہادت ان کی کثرتِ مسانید ہیں جو اجلہ علماء نے جمع کی ہیں۔ حالانکہ یہ استدلال نہایت سطحی ہے جو ان کے "العلامة المحدث المحقق" ہونے کے منافی ہے۔ سوال یہ ہے کہ "قلیل الأداء" تھے تو ان مسانید سے کثرتِ احادیث پر استدلال کیا جا سکتا ہے؟

"کثرتِ مسانید" میں کثرتِ روایات کی یہ پوزیشن ہے کہ جامع المسانید جو پندرہ مسندوں کا مجموعہ ہے اس میں کل متون ۱۷۷۸ ہیں اور ان میں بھی تمام مرویات امام صاحب کی نہیں ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار میں کل آثار و روایات ۹۱۶ ہیں جن میں امام صاحب کے علاوہ ان کے دیگر شیوخ کی مرویات بھی شامل ہیں، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں، بلکہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام مالک کے موطا کو مشرف بہ کوفہ بنانا چاہا تو اس میں امام صاحب سے صرف ۱۳ احادیث لائے ہیں۔

(مقدمة التعليق الممجد، ص: ٤٠)

بالکل یہی پوزیشن ان کی دوسری کتاب "الحجة علی أهل المدينة" میں امام صاحب کی مرویات کی ہے کہ دوسرے مشائخ کے مقابلے بس چند روایات ہی امام صاحب کی لائے ہیں۔ امام طحاوی کو دیکھیں، وہ شرح معانی الآثار میں ہمارے تتبع

کے مطابق صرف پانچ احادیث مرفوع اور پانچ آثار امام صاحب کے واسطے سے لائے ہیں۔ باکثرت احادیث کہاں ہیں؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں امام بیہقی رحمہ اللہ "معرفة السنن والآثار" میں باب کے تحت عموماً پہلے امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت لاتے ہیں، اس کے بعد اس کے دوسرے طرق ذکر کرتے ہیں۔ کہاں یہ اسلوب اور کہاں امام محمد رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کا طرزِ عمل؟ فاعتبروا يا أولي الأبصار.

البتہ سید محمد مرتضٰی الزبیدی نے "عقود الجواهر المنيفة" میں امام بیہقی کے اسلوب کی پیروی کی ہے۔ مگر افسوس کہ علامہ الزبیدی کا ان روایات میں ماخذ جامع المسانید یا اسی نوعیت کی کتابیں ہیں۔ امام صاحب کی کوئی کتاب ان کا ماخذ نہیں۔

قلیل الحدیث ہونے پر ایک عذرِ لنگ:

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے قلیل الروایہ ہونے کا جواب یہ دیا ہے:

"وَهٰذَا أَيْضًا لَيْسَ بِطَعْنٍ فِي الْحَقِيقَةِ، فَإِنَّ مَرْتَبَتَهُ فِي هٰذَا تُشَابِهُ الْمَرْتَبَةَ الصِّدِّيقَةَ، فَإِنْ كَانَ هٰذَا طَعْنًا كَانَ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ أَفْضَلَ الْبَشَرِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ بِالتَّحْقِيْقِ مَطْعُوْنًا، فَإِنَّهُ أَيْضًا قَلِيْلُ الرِّوَايَةِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى بَقِيَّةِ الصَّحَابَةِ، حَاشَاهُمْ ثُمَّ حَاشَاهُمْ عَنْ هٰذِهِ الْوَسْمَةِ" (مقدمه تعليق الممجد، ص: ٣٣)

"یہ بھی حقیقتاً طعن نہیں، اس میں ان کا مرتبہ، مرتبۂ صدیقیت کے مشابہ ہے۔ اگر یہ طعن ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد علی التحقیق افضل بشر ہیں، وہ بھی مطعون ہوں گے، کیونکہ وہ بھی دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت قلیل الروایۃ ہیں، جبکہ وہ اس داغ سے بری ہیں، وہ اس داغ سے بری ہیں۔"

عقیدت کی کوئی حد ہوتی ہے، امام صاحب کے ورع، تقویٰ اور ان کی فقہی بصیرت سے انکارنہیں۔ بعض محدثین نے انھیں قلیل الحدیث کہا، بلکہ ان کے شاگردوں نے بھی اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے باحوالہ ہم نقل کر آئے ہیں۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو کسی نے قلیل الحدیث نہیں کہا، بلکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ اور بالعموم حنفیہ فرماتے ہیں کہ نماز کا امام وہ ہونا چاہیے جو ”أعلمهم بالسنة“ ہو، یعنی مقتدیوں میں سے سنت کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو، اور اس پر استدلال یہ کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حکم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا تھا، جیسا کہ فتح القدیر (۲٤٦/۱) میں علامہ ابن ہمام نے کہا ہے۔ اسی ضمن میں انھوں نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم میں سے سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

اسی کی تائید خود مولانا لکھنوی نے شرح وقایہ کے حاشیہ (۱۷۵/۱ مکتبہ حقانیہ ملتان) میں کی ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں: ”إِنَّ قِصَّةَ إِمَامَةِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ كَانَتْ بَعْدَ هَذَا الْحَدِيثِ فَالْأَخْذُ بِهَا أَوْلَى كَذَا حَقَّقَهُ ابْنُ الْهُمَامِ“ اس لیے جب وہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اعلم بالسنہ تسلیم کرتے ہیں تو وہ قلیل الحدیث کیسے ہوئے؟

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں ان کی احادیث کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اس اعتراض کا بھی کافی وشافی جواب دیا ہے کہ ان سے احادیث کم کیوں مروی ہیں۔ شائقین اس کی تفصیل ازالۃ الخفاء میں مناقب خلفاء الاربعہ کے تحت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک سیدھی سی بات ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف دو سال تین ماہ بائیس دن زندہ رہے۔ ان ایام میں فتنۂ ارتداد، فتنۂ مسیلمہ

کذاب وغیرہ میں ان کی استقامت اور مصروفیت رہی، جب کہ امام صاحب اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کی وفات ۱۲۰ھ کے بعد ان کی مسند کے جانشین بنے۔ ۱۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اس تیس سال کے عرصہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تقابل علم کی کون سی معراج ہے؟

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار یوں کیا ہے:

''ان باتوں کے ساتھ ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ جب بھی صحابہ نے ان کی طرف ضرورت کے وقت رجوع کیا وہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتا دیتے وہ ان احادیث کو محفوظ رکھتے تھے جو صحابہ کے پاس نہ ہوتی تھیں، اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ وہ اول بعثت سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ہمیشہ ساتھ رہے۔ اور اس کے علاوہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ ذہین اور عقل مند تھے۔ اور جو ان سے مرفوع احادیث کم مروی ہیں اس لیے کہ انھیں مدت کم ملی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ جلد وفات پا گئے اور اگر ان کی عمر لمبی ہوتی تو ان سے باکثرت احادیث مروی ہوتیں۔ محدثین نے ان کی کوئی حدیث نہیں چھوڑی، لیکن جو ان کے زمانے میں تھے وہ صحابہ تھے جو اپنی روایات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے محتاج نہ تھے تو وہ ان سے وہی احادیث روایت کرتے تھے جو ان کو معلوم نہ ہوتی تھیں۔'' (تاریخ الخلفاء، ص: ۴۲)

یہی بات اختصار سے علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے:

''وَسَبَبُ قِلَّةِ رِوَايَاتِهِ مَعَ تَقَدُّمِ صُحْبَتِهِ وَمُلَازَمَتِهِ النَّبِيَّ ﷺ، أَنَّهُ تَقَدَّمَتْ وَفَاتُهُ قَبْلَ انْتِشَارِ الْأَحَادِيْثِ وَاعْتِنَاءِ التَّابِعِيْنَ بِسِمَاعِهَا وَتَحْصِيْلِهَا وَحِفْظِهَا'' (تهذيب الأسماء: ۱۸۲/۲ من القسم الأول)

"اور ان کی احادیث کم ہونے کا سبب یہ ہے اس کے باوصف کہ وہ ہمیشہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت و رفاقت میں رہے کہ ان کا انتقال احادیث کے پھیلاؤ سے اور تابعین کے سماعِ حدیث اور ان کے حاصل کرنے اور جمع کرنے کے اہتمام سے پہلے ہو گیا تھا۔"

اس کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ کا دور احادیث حفظ کرنے اور جمع کرنے کا زمانہ تھا اور انھیں اپنے استاد کے بعد تیس سال کا عرصہ میسر آیا۔ اب ان کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلیل الروایہ ہونے پر قیاس اندھی عقیدت کا شاخسانہ اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مصداق نہیں؟!

علامہ قاسمی کی غلط بیانی، ۱۷ احادیث کا قصہ:

علامہ قاسمی صاحب نے فرمایا ہے:

"سید صدیق حسن القنوجی نے "الحطة" میں بغیر استدراک کے (ابن خلدون کا) یہ قول نقل کیا ہے اور ان کے متبعین نے اسے عام لوگوں میں پھیلایا ہے۔ جس کی تردید امام عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے مقدمہ عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایۃ اور تذکرۃ الراشد میں کی ہے۔ (مقدمہ، ص: ٤٦)

مگر یہ سراسر غلط بیانی اور صریح دھوکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود علامہ قاسمی صاحب نے "الحطة" کی مراجعت نہیں کی۔ بلکہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ خود مولانا لکھنوی نے بھی یہاں انصاف کا مظاہرہ نہیں کیا۔ نواب سید صدیق حسن القنوجی رحمہ اللہ اور ان کے مابین جو معاصرانہ قلمی نوک جھوک رہی ہے وہی دراصل یہاں بھی کارفرما ہے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا ہے:

"وَقَدْ نَقَلَهُ بَعْضُ أَفَاضِلِ عَصْرِنَا فِي كِتَابِهِ "الْحِطَّةِ بِذِكْرِ

الصِّحَاحِ السِّتَّةِ" وَسَكَتَ عَنهُ" الخ.

"اور اسے (ابن خلدون کے قول کو) ہمارے بعض افاضل معاصرین نے اپنی کتاب "الحطة" میں نقل کیا ہے اور اس سے خاموشی اختیار کی ہے۔"

علامہ ابن خلدون نے دراصل یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایات کا شمار سترہ (۱۷) یا اس کے قریب ہے۔ سید صدیق حسن رحمہ اللہ نے مکمل وہی عبارت نقل کی ہے جو علامہ ابن خلدون نے "المقدمہ" میں ذکر کی ہے۔ چنانچہ اولاً ان کے الفاظ ہیں:

"فَأَبُو حَنِيفَةَ يُقَالُ: بَلَغَتْ رِوَايَتُهُ إِلَى سَبْعَةَ عَشَرَ حَدِيثًا أَوْ نَحْوِهَا" (الحطة، ص: ۷۳، دارالکتب العلمية بيروت)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کہا گیا ہے ان کی روایات سترہ (۱۷) احادیث یا اس کے قریب پہنچتی ہیں۔"

مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے اس کی تردید میں فرمایا ہے:

"ذَكَرَ ابْنُ خَلْدُونٍ بِلَفْظِ: "يُقَالُ" اَلدَّالُ عَلَى ضُعْفِهِ"

(بحواله مقدمة الموسوعة، ص: ٤٨)

"ابن خلدون نے یہ بات "یقال" صیغۂ مجہول سے کہی ہے جو اس کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔"

غور فرمایئے! سید صدیق حسن رحمہ اللہ نے بھی من وعن "یقال" سے ہی اسے نقل کیا ہے، وہاں یہ احتمال ملحوظ کیوں نہیں؟

ثانیاً: مولانا لکھنوی نے اس کی تردید میں یہ بھی فرمایا ہے کہ خود مقدمہ ابن خلدون ہی میں ہے:

"قَدْ تَقَوَّلَ بَعْضُ الْمُتَعَصِّبِيْنَ أَنَّ مِنْهُمْ مَنْ كَانَ قَلِيْلَ

الْبِضَاعَةِ فِيْ الْحَدِيْثِ وَلَا سَبِيْلَ إِلَى هَذَا الْمُعْتَقِدِ فِيْ كِبَارِ الْأَئِمَّةِ الخ" (بحواله مقدمه، ص: ٥٤)

"اور بعض متعصبین نے یہ جھوٹ گھڑا ہے کہ ان فقہاء میں وہ ہیں جن کی حدیث کی تعداد کم ہے۔ کبار ائمہ کے بارے میں اس خیال کی کوئی گنجایش نہیں۔"

علامہ ابن خلدون کے ان الفاظ میں جب ۱۷ احادیث کے قول کی تردید ہے تو یہی "تردید" سید صدیق حسن رحمہ اللہ بھی نقل کر چکے ہیں۔ جیسا کہ الحطة (ص: ٧٤) میں ہے تو پھر سید رحمہ اللہ پر اعتراض معاصرانہ چشمک کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

ثالثاً: مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابن خلدون نے یہ بھی فرمایا:

"اَلْإِمَامُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ إِنَّمَا قَلَّتْ رِوَايَتُهُ لِمَا شَدَّدَ فِيْ شُرُوْطِ الرِّوَايَةِ" الخ (مقدمه، ص: ٥٤)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایات ان کی سخت شروط کی بنا پر کم ہیں۔ یہی الفاظ سید صدیق حسن رحمہ اللہ نے بھی نقل کیے ہیں۔ یہ اعتراض کا جواب ہے تو سید مرحوم پر طعن زنی کیوں؟

رابعاً: اسی طرح مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے علامہ ابن خلدون کی یہ عبارت بھی پہلے "یقال" سے کہے گئے قول کی تردید میں نقل کی ہے:

"يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ يَعْنِيْ أَنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ مِنْ كِبَارِ الْمُجْتَهِدِيْنِ فِيْ الْحَدِيْثِ الخ" (مقدمه، ص: ٥٤، ٥٥)

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا حدیث میں کبار مجتہدین میں ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ مجتہدین کے درمیان ان کے مذہب پر اعتماد کیا گیا ہے۔"

اس کے بعد مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''ابن خلدون کے ان کلمات کو حسنِ ظن کی نیت سے دیکھو تو تم پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ مقدمہ میں انھوں نے جو سترہ حدیث کا کہا ہے، یہ ان کے قلم کی غلطی ہے یا ان کی کتاب کے ناسخ کی یا ناشرین یا کسی فتنہ پرداز کی یہ غلطی ہے۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ یہی سب کچھ تو علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ سے سید صدیق حسن رحمہ اللہ نے لکھا ہے تو یہ اس ''الزام'' کا جواب کیوں نہیں؟ اور اس کے باوصف وہ موردِ طعن کیوں ہیں؟ ﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾

بلکہ نواب صاحب نے اتحاف النبلاء میں کہا ہے کہ ''ان سے اگر کوئی کتاب مسند وغیرہ نہیں تو ان پر نقص یا طعن کی گنجائش نہیں، جیسے بہت سے صحابہ ہیں جن سے زیادہ روایات مروی نہیں، بلکہ بہت کم روایات ہیں۔ (إتحاف النبلاء، ص: ۱۴۳) اس وضاحت کے بعد نواب صاحب پر مولانا لکھنوی کی حرف گیری کیا معاصرانہ چشمک کا بیّن ثبوت نہیں؟!

یہ وضاحت تو سید صدیق حسن رحمہ اللہ پر اعتراض کے تناظر میں ہے لیکن کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اس تمام تر تو تکار کے بعد کیا ابن خلدون اور ان کی بالتبع مولانا لکھنوی نے امام صاحب کا قلیل الحدیث ہونا تسلیم تو نہیں کر لیا؟ جب وہ یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

''وَالْإِمَامُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ إِنَّمَا قَلَّتْ رِوَايَتُهُ لِمَا شَدَّدَ فِيْ شُرُوْطِ الرِّوَايَةِ وَالتَّحَمُّلِ وَضَعَّفَ رِوَايَةَ الْحَدِيْثِ الْيَقِيْنِيِّ إِذَا عَارَضَهَا الْفِعْلُ النَّفْسِيُّ، وَقَلَّتْ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ رِوَايَتُهُ، فَقَلَّ حَدِيْثُهُ، لَا أَنَّهُ تَرَكَ رِوَايَةَ الْحَدِيْثِ عَمَداً'' (مقدمہ، ص: ۵۴)

''امام ابو حنیفہ کی روایت اس وجہ سے کم ہے کہ انھوں نے حدیث روایت کرنے اور لینے کی شروط سخت رکھی ہیں اور یقینی حدیث کو قیاس کے معارض ہونے پر ضعیف کہہ دیتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی روایت اور حدیث کم ہوئی ہیں، نہ یوں کہ انھوں نے روایتِ حدیث قصداً چھوڑ دی ہے۔''

اس عبارت کو ''یقال'' کے تحت کہی گئی بات کی تردید میں نقل کرتے ہوئے کہا تو کیا علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ خود انھوں نے امام صاحب رحمہ اللہ کا قلیل الحدیث تسلیم نہیں کر لیا؟ بلکہ اس سے تو یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کے اخذ و ادا میں ان کی شروط سخت تھیں۔ یہ اگر درست ہے اور یہ اس لیے درست ہے کہ دوسرے اور حضرات نے بھی ان کی سخت شروط کو قلتِ حدیث کا باعث قرار دیا ہے تو پھر اس کے نتیجے میں قلتِ حدیث کا انکار کیوں ہے؟

علاوہ ازیں ابن خلدون سے انھوں نے بلا تردید یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام صاحب کی قلتِ حدیث کا سبب یقینی احادیث کو قیاس کی وجہ سے ضعیف قرار دینا بھی ہے۔ اس کے باوصف اس کا اور امام صاحب کا باکثرت قیاس کرنے کا انکار کرنا چہ معنی دارد؟

یہاں یہ بات بجائے خود وضاحت طلب ہے کہ علامہ ابن خلدون کے حوالے سے مولانا لکھنوی نے چونکہ تردیدی توجیہات نقل کی ہیں، کیا خوب ہوتا کہ اس بحث کے آخر میں علامہ ابن خلدون نے جو کچھ فرمایا ہے علامہ لکھنوی اسے بھی نقل کر دیتے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

''فَالْقَوْمُ أَحَقُّ النَّاسِ بِالظَّنِّ الْجَمِيْلِ بِهِمْ وَالْتِمَاسِ الْمَخَارِجِ الصَّحِيْحَةِ لَهُمْ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی أَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُوْرِ'' (ابن خلدون، الحطة، ص: ۷۵)

''لہٰذا یہ قوم (یعنی ائمہ محدثین و مجتہدین جن کا پہلے ذکر ہے) لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے اور ان کے لیے صحیح راستہ ڈھونڈا جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اصل حقیقت کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔''

اب انصاف فرمائیں کہ علامہ ابن خلدون کے حوالے سے جو اعذار و جوابات مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے نقل کیے ہیں وہ کیا اسی حسنِ ظن کا نتیجہ نہیں؟ بالخصوص یہ کہ احادیث لینے اور بیان کرنے میں ان کی شرائط سخت تھیں، اس لیے ان سے احادیث کم مروی ہیں، کیا امام صاحب نے بہت سے ضعیف، متروک، مجہول، مبہم راویوں سے روایت نہیں کی؟ اور امام محمد رحمہ اللہ انھی کے واسطے سے یہ روایات نقل کر کے انھیں معرضِ استدلال میں نہیں لائے؟ جس کی کچھ تفصیل اس فقیر نے کتاب الآثار پر تبصرہ میں کی ہے جو مقالات کی تیسری جلد میں مطبوع ہے۔

ضعفاء سے باکثرت روایات کا عذرِ لنگ:

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر اعتراض کے جواب میں لکھا ہے:

''وَمِنْهَا أَنَّهُ رَوَى كَثِيراً عَنِ الضُّعَفَاءِ، وَهَذَا أَمْرٌ مُشْتَرِكٌ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ الخ'' (مقدمة التعليق الممجد، ص: ٣٤)

ان اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ اکثر ضعفاء سے روایت کرتے ہیں اور یہ اعتراض دوسرے علماء کے مابین مشترک ہے۔ یعنی دوسرے علماء نے بھی ضعیف راویوں سے روایت لی ہے، لہٰذا یہ کوئی اعتراض نہیں۔ اس حوالے سے جو انھوں نے امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم کا نام لیا ہے کہ انھوں نے بھی

الضعفاء سے روایات لی ہیں ہم اس پر تبصرہ کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس میں انھوں نے یہ تو تسلیم کیا کہ امام صاحب نے باکثرت ضعفاء سے روایات لی ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ ایک طرف یہ باور کرایا جاتا ہے کہ حدیث لینے اور روایت کرنے میں ان کی شرائط سخت تھیں، دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ وہ باکثرت ضعفاء سے روایت کرتے ہیں تو پھر اس ''سخت شرائط'' کے عذر کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟!

الضعفاء تو کیا امام ابوحنیفہ تو جابر بن یزید الجعفی سے بھی روایت کرتے ہیں جس کے بارے میں خود انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اس سے بڑا جھوٹا کسی کو نہیں پایا، جیسا کہ علامہ قاسمی صاحب نے ہی نقل کیا ہے۔ (الموسوعة: ١٦/٢١٤) بلکہ ان کے شاگردِ رشید نے بھی ان کا یہ فرمان پلے نہیں باندھا، اور اس کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ امام محمد باب صلاۃ القاعد میں حدیث: ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو'' کے نسخ پر استدلال جابر بن یزید کی حدیث سے لائے ہیں:

''جَابِرُ بْنُ يَزِيْدَ الْجُعْفِيُّ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا يَؤُمَّنَّ النَّاسَ أَحَدٌ بَعْدِيْ جَالِساً'' (موطأ محمد، ص: ١١٣)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کوئی بیٹھ کر نماز نہ پڑھائے۔''

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نَعَمْ اَلْقَدَحُ بِجَابِرٍ لَا سِيَّما عَلَى رَأْيِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ لَهُ اِعْتِدَادٌ''

(التعليق الممجد، ص: ١١٥)

''ہاں جابر پر ردوقدح کا بالخصوص امام ابوحنیفہ کے قول پر، شمار و اعتبار ہے۔''

علاوہ ازیں امام محمد رحمہ اللہ نے ''الحجة على أهل المدينة'' (١/١٢٨) میں بھی اسی سے نسخ پر استدلال کیا ہے۔ اس بارے میں مزید تفصیل نصب الراية (٢/٤٩) میں ملاحظہ فرمائیں۔ بتائیے کیا ''سخت شروط'' کا عذر، عذر لنگ نہیں تو اور کیا

ہے؟ اس کے برعکس ہمارے حنفی مقلدین علماء نے کہاں کہاں جابر بن یزید کا دفاع کیا اور کہاں کہاں اس کی روایت سے استدلال کیا، یہ موضوع طویل الذیل ہے جو ہمارا موضوع نہیں مگر ہمارا صرف یہ سوال ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس جرح کو یہ حضرات قبول کیوں نہیں کرتے؟

مولانا نعمانی رحمہ اللہ کا عمل و کردار:

مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ امام صاحب کے امامِ جرح و تعدیل ہونے کے حوالے سے جابر جعفی پر ان کا کلام نقل کر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> ''جرح و تعدیل کے باب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فیصلے اس قدر جچے تلے ہوتے تھے کہ محققینِ فن کو ہمیشہ ان کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ چنانچہ اسی جابر جعفی کو لیجیے، ایک طرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اس بارے میں یہ فیصلہ ہے دوسری طرف (یہاں شعبہ، سفیان ثوری اور وکیع کی توثیق نقل کر کے لکھتے ہیں) اربابِ نظر غور کریں کہ جابر جعفی کی توثیق کرنے والے کس شان کے اکابر ہیں۔ تاہم تحقیق کے بعد آخری فیصلہ جو ائمہ رجال نے صادر کیا وہ یہی ہے کہ جابر جعفی کی روایت قابلِ اعتبار نہیں۔'' (حاشیہ ابن ماجہ اور علمِ حدیث، ص: ۲۳۰)

اندازہ کیجیے کہ کس دیدہ وری سے امام صاحب کے فیصلوں کو بڑے ''جچے تلے'' قرار دیا گیا۔ مگر وائے افسوس خود انھوں نے اور نہ ان کے شاگردِ رشید نے اس ''جچے تلے فیصلے'' کی پاسداری کی بلکہ اس کی حدیث سے استدلال کیا اور بعد میں علامہ عینی رحمہ اللہ سے مولانا ظفر احمد عثانی تک کے حضرات نے جابر جعفی کا دفاع کیا۔ حتی کہ خود نعمانی صاحب نے اس کی بے توقیری یوں کی کہ ''ما تمس إلیه

الحاجة“ میں اسے ذکر ہی نہیں کیا۔

اسی طرح امام صاحب زید بن عیاش ابو عیاش تابعی کو مجہول کہتے ہیں، (تهذيب: ٣/٤٢٤، الإكمال للمغلطائي: ١٦٩/٥، قواعد علوم الحديث، ص: ٣٣٢) جب کہ علامہ القرشی نے ”ضعیف“ ہونے کا قول ذکر کیا ہے (الجواهر المضية: ٣٠/١) مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے بھی جرح و تعدیل کے باب میں امام صاحب کے ”جچے تلے“ فیصلوں کو تسلیم کیے جانے کی دوسری مثال یہی زید بن عیاش کو امام صاحب کا مجہول کہنا ہے۔ (ابن ماجہ اور علمِ حدیث، ص: ۲۳۰)

اولاً: ہماری گزارش ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے زید تابعی کی روایت: ”تر کھجوروں کی خشک کھجوروں کے ساتھ فروخت کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔“ اس کو مجہول کہنے کی بنا پر قبول نہیں کیا، جب کہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب اخبرنا شیخ، عن شیخ، عن رجل، حدثنا شیخ لنا روایت کرتے ہیں، بلکہ ان کی روایت سے استدلال بھی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: كتاب الآثار (رقم: ٢٥٧، ٢٦١، ٨٩٣، ٣٥٩، ٤٤٢، ٨١٠، ٥٩٥، ٣٣٣ وغيره)

علاوہ ازیں حارث بن زید، حنظلہ بن نباتۃ، ابو کباش، اسحاق بن ثابت اور اس کا باپ ثابت، ابو علی الصیقل، ابو نصر سلیمی، ابو غسان، ام ثور وغیرہ مجہول مستور سے روایت اور ان سے استدلال چہ معنی دارد؟

اکثر محدثین کے نزدیک تو مجہول کی روایت غیر مقبول ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اصول یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے نزدیک مقبول ہے اس کے اسلام اور ظاہرِ فسق سے سلامتی کی بنا پر۔ جیسا کہ مولانا عثمانی نے قواعد علوم الحدیث (ص: ٢٠٤) میں علامہ آمدی سے نقل کیا ہے۔ بعد میں علمائے احناف کا جو اصول ہے اسے ذکر کرتے ہوئے فرمایا

گیا ہے کہ مجہول العین کا ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ اس کی حدیث قرنِ ثانی اور ثالث میں ظاہر ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر ظاہر نہیں ہوئی تو اس پر عمل جائز ہے، (کیونکہ قرونِ ثلاثہ کی تعدیل حدیث سے ثابت ہے) اور اگر ظاہر ہوئی ہے اور سلف نے اسے صحیح کہا، یا اس پر کلام نہیں کیا تو وہ قبول کی جائے گی اور اگر انھوں نے اسے مردود کہا ہے تو وہ رد کی جائے گی، یا بعض نے قبول کیا اور بعض نے اسے رد کیا ہو، وہ اگر قیاس کے مطابق ہے تو مقبول ورنہ مردود۔ (قواعد علوم الحديث، ص: ۲۰۷، دراسات في أصول الحديث على منهج الحنفية، ص: ۲۲۸)

لہٰذا جب امام صاحب کے نزدیک مجہول کی روایت مقبول، احناف کے نزدیک خیر القرون کے راویوں کی تعدیل ثابت، تو زید بن عیاش مجہول کیسے اور اس کی حدیث غیر مقبول کیوں؟ زید کی یہ روایت موطا، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، احمد اور سنن اربعہ وغیرہ میں موجود۔ امام مالک، امام ترمذی، امام حاکم اور ابن حبان رحمہم اللہ کے نزدیک یہ صحیح ہے، حتی کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا: ''هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ لِإِجْمَاعِ أَئِمَّةِ النَّقْلِ عَلَى إِمَامَةِ مَالِكٍ الخ'' یہ حدیث صحیح ہے، ائمۂ نقل کا امام مالک کی امامت پر اجماع ہے۔ (المستدرك: ۳۹/۲)

امام دارقطنی نے اسے ثقہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ترمذی رحمہم اللہ نے اس کی حدیث کو صحیح کہا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صدوق کہا ہے۔ (تقریب، ص: ۱۱۳)

تو کیا اس کے بعد سابقہ حنفی اصول کے تناظر میں اسے ضعیف کہنے کی گنجایش ہے؟

بلکہ تعجب کی بات یہ کہ بڑے فخر سے ''آگاہ'' فرمایا گیا: ''مستور کی روایت قبول کرنے میں ابن حبان نے امامِ اعظم کا قول اختیار کیا ہے۔'' (قواعد، ص: ۲۰۴)

زید بن عیاش، ابن حبان کے نزدیک ثقہ اور اس کی حدیث ان کی الصحیح میں ہے، مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اسے مجہول فرماتے ہیں۔ ابن حبان کی پیروی کیسی؟ یہی نہیں

بلکہ مجنون ابی حنیفہ علامہ زاہد کوثری تو فرماتے ہیں:

”وَلَمْ يَكُنْ أَبُوْ حَنِيفَةَ يَجْعَلُ الْمَجَاهِيلَ الَّذِينَ لَمْ يُدْرَسْ أَحْوَالُهُمْ فِيْ عَدَدِ الثِّقَاتِ كَمَا كَانَ ابْنُ حِبَّانَ يَفْعَلُهُ“

(تأنيب الخطيب، ص: ۱۳۲، ط دار الكتب العربي)

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ابن حبان رحمہ اللہ کی طرح ان مجاہیل کو جن کے حالات نہیں ملتے، ثقات میں شمار نہیں کرتے۔“

اس اظہارِ براءت کے بعد ابن حبان رحمہ اللہ کو مستور راویوں کی توثیق میں امام صاحب کا پیروکار قرار دینے کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

پھر یہ بھی دیکھیے کہ زید بن عیاش کی اسی روایت پر فتویٰ دیگر فقہاء کے علاوہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کا بھی ہے۔ جیسا کہ ”شرح معاني الآثار“ (۶/٤) میں امام طحاوی نے کہا ہے، نیز دیکھیں: ”موطأ إمام محمد“ (ص: ۳۳۱)

تو گویا یہ ان کے نزدیک بھی مقبول ہے اور امام صاحب نے جو زید بن عیاش کو مجہول کہا ہے اسے تسلیم نہیں کیا۔ ہم نے یہاں اصل مسئلے پر بحث سے گریز کیا ہے کہ یہ ہمارا موضوع نہیں، ورنہ علامہ طحاوی اور علامہ عثمانی نے جو اس بحث میں بے اصولی اور گرم گفتاری کا مظاہرہ کیا ہے اس کی بھی نقاب کشائی کرتے، مگر ہم نے اپنے اصولی موقف پر کہ امام صاحب کا اصول ”بڑا سخت“ ہے اور جرح و تعدیل میں ان کے فیصلے ”جچے تلے“ ہیں کے بارے میں عرض کیا ہے کہ ”زید بن عیاش“ کے بارے میں ان کا فیصلہ بہر نوع درست نہیں۔ تہذیب میں ہے:

”قَالَ أَبُوْ حَنِيفَةَ: مَجْهُوْلٌ، وَتَعَقَّبَهُ الْخَطَّابِيُّ“ (تهذيب: ۳/٤۲٤)

”امام ابو حنیفہ نے اسے مجہول کہا اور ان کا تعاقب علامہ خطابی نے کیا۔“

علامہ خطابی رحمہ اللہ کا کلام معالم السنن میں دیکھا جا سکتا ہے بلکہ علامہ المنذری رحمہ اللہ

نے بھی مختصر ابی داود میں ان کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مختصر السنن مع معالم السنن (۳۳/۵، ۳٤) نیز دیکھیں: نصب الرایۃ (٤١/٤)، التلخیص الحبیر (۱۲/۳، ۲۱) وغیرہ۔

ان تمام اقوال کو دیکھنے کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام صاحب کا فیصلہ ''جچا تلا'' ہے!!

تعجب ہے کہ مولانا نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض محدثین نے امام مالک کی تقلید میں اس روایت کو صحیح قرار دیا، لیکن خود امام بخاری ومسلم نے اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے فیصلے سے موافقت کی ہے۔'' (ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۳۰)

امام مالک کی تقلید تو تب ہوتی جب وہ اس روایت کو تنہا روایت کرتے اور صحیح کہتے۔ جب ان کے علاوہ اسماعیل بن امیہ، ضحاک بن عثمان، اسامہ بن زید بھی اسے عبداللہ بن یزید عن زید بن عیاش سے روایت کرتے ہیں تو تقلید کیسی؟ مقلدین کو دراصل ہر جگہ تقلید نظر آتی ہے جیسے ساون کے اندھے کو ہر جگہ سبزہ ہی نظر آتا ہے۔ یہ حضرات محدثین میں کسی کو شافعی، کسی کو حنفی، کسی کو حنبلی اور کسی کو مالکی باور کرانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور یہاں اس حدیث کو صحیح کہنے والوں کو مالکی مقلد بنا دیا ہے۔ انصاف فرمائیں! یہ ''الزام'' درست ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں کیا اسی حدیث سے استدلال نہیں کیا؟ اور تر کھجوروں کی خشک کھجوروں کے ساتھ بیع کو ناجائز نہیں کہا؟ امام شافعی تو مجتہد ہیں اور مجتہد کس کی تقلید کرتا ہے؟ اس لیے نعمانی صاحب کا اس حدیث کو صحیح کہنے والوں کو مالکی مقلد کہنا بہر نوع غلط ہے۔

علاوہ ازیں علامہ عینی رحمہ اللہ کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ مرغینانی نے ہدایہ میں فرمایا ہے: "زَیْدُ بْنُ عَیَّاشٍ هُوَ ضَعِیْفٌ عِنْدَ النَّقَلَةِ" مگر علامہ عینی فرماتے ہیں:

"هٰذَا لَیْسَ بِصَحِیْحٍ، بَلْ هُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ النَّقَلَةِ" (البنایہ: ۸/۲۸۸)

یہ صحیح نہیں بلکہ وہ حدیث نقل کرنے والوں کے نزدیک ثقہ ہے۔

بلکہ شیخ الأترازی سے انھوں نے نقل کیا ہے:

"وَنَقَلُوا التَّضْعِیْفَ عَنْ أَبِيْ حَنِیْفَةَ رحمه الله وَلٰكِنْ لَمْ یَصِحَّ ضُعْفُهُ فِيْ كُتُبِ الْحَدِیْثِ فَمَنِ ادَّعَى فَعَلَیْهِ الْبَیَانُ" (البنایہ: ۸/۲۸۸)

"اور اس کی تضعیف ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں، لیکن اس کا ضعف کتبِ حدیث میں صحیح نہیں، لہٰذا جو یہ دعویٰ کرے وہ اسے دلیل سے بیان کرے۔"

اس کے چند سطور بعد انھوں نے صاحب التنقیح علامہ ابن عبدالہادی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ "لیس به بأس" ہے۔ اسی طرح علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ اور علامہ الزیلعی رحمہ اللہ نے بھی صاحب التنقیح سے زید ابو عیاش کے بارے میں "لَیْسَ بِهِ بَأْسٌ" کی توثیق نقل کی ہے، بلکہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے تو چند سطور بعد یہ بھی لکھا ہے:

"وَرَدَّ طَعْنَهُ فِيْ أَبِيْ عَیَّاشٍ أَیْضاً بِأَنَّهُ ثِقَةٌ كَمَا نَقَلْنَا آنِفاً مِنْ قَوْلِ صَاحِبِ التَّنْقِیْحِ وَأَیْضاً رَوَى عَنْهُ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّأ، وَهُوَ لَا یَرْوِيْ عَنْ رَجُلٍ مَجْهُوْلٍ" (فتح القدیر: ۵/۲۹۳)

"اور (مشایخ نے) ابو عیاش پر ان کے طعن کی تردید کی ہے کہ وہ ثقہ ہے، جیسا کہ ابھی ہم نے صاحب التنقیح کے قول سے نقل کیا اور یہ بھی کہ

اس کی روایت امام مالک موطا میں لائے ہیں اور وہ مجہول سے روایت نہیں کرتے۔''

بتایئے! کیا علامہ زیلعی، علامہ عینی، علامہ ابن ہمام رحمہم اللہ بھی مالکی مقلد ہیں؟

اصل حقیقت:

امام صاحب نے زید ابو عیاش کو مجہول یا ضعیف کہا ہے تو اس کا مدار کیا ہے؟ بات چلی ہے تو یہ بھی دیکھیے کہ علامہ شمس الدین السرخسی نے ذکر کیا ہے:

''امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بغداد آئے تو ان سے اسی مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا اور وہ بڑے نالاں تھے کہ انھوں نے حدیث کی مخالفت کی ہے تو انھوں نے فرمایا: اس کا مدار زید بن ابی عیاش پر ہے اور زید بن ابی عیاش کی حدیث قبول نہیں کی گئی (لا یقبل حدیثه) اہلِ حدیث نے یہ طعن پسند کیا، حتی کہ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: کیسے کہا جاتا ہے کہ ابو حنیفہ حدیث نہیں جانتے، حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ زید بن ابی عیاش ان راویوں میں سے ہے جس کی حدیث قبول نہیں کی گئی۔'' (المبسوط: ۱۲/۱۸۵)

یہ کہانی متاخرین علمائے احناف نے بھی ذکر کی ہے مگر اس کا ماخذ یہی علامہ السرخسی کی المبسوط ہے، اس کے علاوہ یہ قصہ کسی مستند کتاب میں نظر سے نہیں گزرا اور علامہ السرخسی نے بھی حسبِ عادت اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی، وہ تو اس میں مذکور احادیث کی کوئی سند ذکر نہیں کرتے نہ اس کا حوالہ دیتے ہیں تو کسی واقعہ یا قصے کے بارے میں کیسے یقین کر لیا جائے کہ یہ قابلِ اعتبار ہے جب کہ اس کی بعض اندرونی باتیں بھی خلافِ واقعہ ہیں۔ کچھ کی نشاندہی تو علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی کی ہے اور انھیں شارحین کے جواب میں لکھنا پڑا ہے:

”وَالْآفَةُ فِيْ ذٰلِكَ عَدَمُ مُرَاجَعَتِهِمْ إِلَى كُتُبِ الْحَدِيْثِ“

(البناية: ٨/٢٨٧)

”اس میں آفت کا باعث کتبِ حدیث کی مراجعت نہ کرنا ہے۔“

امام صاحب نے اس میں زید ابو عیاش کے بارے میں فرمایا ہے: ”لَا يُقْبَلُ رِوَايَتُهُ“ ”اس کی روایت مقبول نہیں۔“ اس کی تعبیر علامہ قرشی اور علامہ مرغینانی رحمہم اللہ نے یہ کی کہ وہ ضعیف ہے۔ اب زید کو ضعیف تو کسی نے نہیں کہا، اس لیے مولانا عثمانی کو یہ تکلف بریکٹ میں کرنا پڑا: ”لِجَهَالَتِهِ“ اس کی جہالت کی بنا پر۔ کیا یہ حکم محدثین کے اصول میں صحیح ہے؟ تو فرمایا گیا کہ وہ مجتہد ہیں، جنھوں نے اسے ثقہ کہا ہے، ان کی تقلید امام صاحب پر واجب نہیں۔ (إعلاء السنن: ١٤/٣٢١)

علاوہ ازیں ”اِسْتَحْسَنَ مِنْهُ أَهْلُ الْحَدِيْثِ“ کہ اہلِ حدیث نے امام صاحب کے قول کی تحسین کی، حتی کہ ”امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ کیسے کہا جاتا ہے: ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حدیث کا علم نہیں“ اس کے جواب کی تفصیل مانع ہے کہ کچھ عرض کریں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ اہلِ حدیث کی تحسین سے قطع نظر اس کی تحسین تو علامہ ابن ہمام علامہ عینی اور علامہ لکھنوی رحمہم اللہ نے بھی نہیں کی۔

کثرتِ حدیث کی ایک اور دلیل:

امام صاحب کی کثرتِ حدیث کے بارے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر ”تذکرۃ الحفاظ“ میں کر کے انھیں حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ (مقدمۃ الموسوعۃ، ص: ٥٨)

عرض ہے کہ بلاشبہہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے انھیں ”تذکرۃ الحفاظ“ (١/١٦٨) میں ذکر کیا ہے اور انھیں امام، فقیہِ عراق، عالم و عامل، صاحبِ ورع، جیسے اوصاف

سے متصف فرمایا ہے مگر حفاظِ حدیث ہونے کے ناتے کوئی قول ذکر نہیں کیا، بلکہ امام یزید بن ہارون کا قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب ''افقہ'' تھے اور سفیان ثوری حدیث کے ''احفظ'' تھے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے التذکرۃ (۱/۱۷۱) میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بھی ذکر کیا ہے، حالانکہ وہ ''سیئ الحفظ جداً'' تھے۔ اسی طرح انھوں نے التذکرۃ میں امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو ذکر کیا ہے۔ (۱/۲۴۰) حالانکہ خود ہی ''السیر'' (۸/۴۲۳) میں امام ابن مہدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ''لَمْ یَکُنْ بِالْحَافِظِ'' وہ حافظِ حدیث نہ تھے۔'' التذکرۃ کے مقدمہ میں تو فرمایا ہے کہ ''هَذِهِ تَذْكِرَةٌ بِأَسْمَاءِ مُعَدِّلِي حَمَلَةِ الْعِلْمِ النَّبَوِيِّ وَمَنْ يُرْجَعُ إِلَى اجْتِهَادِهِمْ فِي التَّوْثِيقِ وَالتَّضْعِيفِ'' یہ عادل حاملینِ علمِ نبوی کے اسمائے مبارکہ کا تذکرہ ہے جن کی توثیق وتضعیف کے اجتہاد میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ مگر اس میں علی بن زید بن جدعان (۱/۱۴۰) شریک بن عبداللہ قاضی (۱/۲۳۲)، عبداللہ بن لہیعہ (۱/۲۳۷) حتی کہ حافظ محمد بن یونس الکدیمی جیسے کذاب اور وضاع کا ذکر بھی التذکرۃ (۱/۶۱۸) میں ہے۔

بلکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے مناقب میں مستقل رسالہ لکھا ہے، جس میں پہلے تو امام یحییٰ بن سعید کا یہ قول نقل کیا کہ وہ محدثین میں سے نہیں تھے، پھر خود انھوں نے فرمایا ہے کہ امام صاحب نے اپنی ہمت ضبطِ الفاظ اور اسناد میں صرف نہیں کی، ان کی ہمت قرآن وفقہ سے تھی اور یہ حالت اس کی ہوتی ہے جو ایک فن کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے ائمۂ قراء کی حدیث کو کمزور کہا گیا ہے جیسے امام حفص اور قالون ہیں، اور فقہاء میں ابن ابی لیلیٰ اور عثمان بَتّی ہیں۔ اور زہاد میں فرقد السبخی اور شقیق بلخی ہیں اور نحویوں کی ایک جماعت ہے۔ ان کا یہ ضعف عدالت کی بنا پر نہیں بلکہ حدیث میں اتقان کی کمی کے باعث ہے۔ (مناقب الإمام أبي حنيفة، ص: ۲۸)

اس کے بعد قارئینِ کرام انصاف فرمائیں کہ کیا علامہ ذہبی امام صاحب کو حفاظِ حدیث میں سمجھتے ہیں اور کیا التذکرہ میں سب ثقہ حفاظِ حدیث کا ذکر ہے؟

ایک اور بے کار کوشش؛ کثرتِ شیوخ:

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ معتبرین نے امام صاحب کے شیوخ کی تعداد چار ہزار بتائی ہے اور علامہ المزی نے تہذیب الکمال میں ان میں سے ستر شیوخ کا ذکر کیا ہے۔ اگر ہر ایک سے ایک ایک حدیث لی ہو تو کم سے کم ستر یا چار ہزار احادیث تو ہوں گی۔ لہٰذا سترہ احادیث کی بات کیا ہوئی۔ (مقدمة الموسوعة، ص: ٥٨)

بلاشبہہ ''سترہ احادیث'' کے قول کا یہ جواب درست ہے مگر اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ وہ حفاظِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، لیکن چار ہزار اساتذہ کا دعویٰ کن ''معتبرین'' نے کس معتبر دلیل کی بنا پر کیا ہے۔ بینوا تؤجروا...!

اس ''دعوے'' کی کہانی شیخ الموفق نے المناقب میں ذکر کی ہے کہ مجھے امام ابوحفص عمر بن امام بکر بن محمد بن علی الزرنجری نے شہرِ بخارا سے لکھ کر خبر دی کہ میرے والد رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حُكِيَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي حَفْصٍ الْكَبِيْرِ رحمہ اللہ'' کہ ابوعبداللہ بن ابی حفص الکبیر رحمہ اللہ سے حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ان کے زمانے میں احناف اور شوافع کے مابین اختلاف ہوا۔ شوافع امام شافعی کو فضیلت دیتے تھے۔ میں نے کہا کہ امام شافعی کے شیوخ شمار کرو، تو وہ اسّی (٨٠) نکلے، پھر امام ابوحنیفہ کے شیوخ شمار کیے گئے تو وہ چار ہزار نکلے۔ تو امام ابوعبداللہ نے فرمایا کہ یہ امام ابوحنیفہ کی ادنیٰ سی فضیلت ہے۔ (المناقب للموفق: ٣٨/١، جامع المسانيد: ٣٠/١)

بہت ہی خوبصورت قصہ ہے، مگر قابلِ غور یہ بات ہے کہ امام بکر بن محمد نے اسے ''حكي'' صیغۂ مجہول سے ذکر کیا ہے کہ حکایت بیان کی جاتی ہے جب کہ امرِ واقعہ

یہ ہے کہ امام بکر بن محمد ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ (الأنساب: ۱۴۸/۳، السیر: ۴۱۵/۱۹ وغیرہ)

جب کہ امام ابو عبداللہ، ابو حفص الکبیر ۲۶۴ھ میں وفات پا گئے تھے۔ (الفوائد البهیه، ص: ۱۸، ۱۹ وغیرہ) غور فرمایا آپ نے کہ دونوں بزرگوں کے درمیان ڈیڑھ سو سال سے زائد کا طویل عرصہ ہے تو یہ ''حکایت'' کیسے ''معتبر'' ہوسکتی ہے؟!

علامہ شبلی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

''ابو حفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کی ہیں ...... لیکن انصاف یہ ہے کہ ابو حنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہوسکتا الخ۔'' (سیرۃ النعمان، ص: ۶۲، ۶۳)

اس لیے یہ چار ہزار اساتذہ کا دعویٰ بلا دلیل اور محض عقیدت مندانہ گپ پر مبنی ہے۔

علاوہ ازیں خود شیخ الموفق نے حافظ ابو بکر محمد بن عمر الجعابی کی ''الانتصار لمذهب أبي حنيفة'' میں اور شیخ ابن خسرو کی ''مسند أبي حنيفة'' سے امام صاحب کے مشائخ کی جو فہرست دی ہے اس میں کل ۲۳۵ شیوخ کا نام ہے۔ پھر ان ناموں میں بھی جو گھپلا ہے وہ بجائے خود مستقل عنوان ہے۔ چلیے ۲۳۵ شیوخ ہی صحیح، باقی ۳۷۶۵ کہاں ہیں؟ اس لیے امام صاحب کے چار ہزار اساتذہ کا ''دعویٰ'' محض ایک ''کہانی'' ہے جس کی استنادی حیثیت بے حد کمزور ہے۔

بلکہ ''الموسوعة الحديثية'' کے مرتب جناب علامہ قاسمی صاحب نے ''الموسوعہ'' میں مذکورہ احادیث و آثار کو جن شیوخ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے ان کی تعداد بھی انھوں نے ۳۲۸ ذکر کی ہے۔ (مقدمة الموسوعة: ۱۵۲/۱)

سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات اور روایت کا دعویٰ:

شیخ ابو المکارم عبداللہ بن حسین النیسابوری نے ایک کتاب ''الأحادیث

السبعة“ کے نام سے لکھی ہے جس میں انھوں نے ان سات احادیث کا ذکر کیا ہے جنھیں امام صاحب نے براہِ راست سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا ہے۔ علامہ قاسمی صاحب کے مراجع میں یہ کتاب بھی ہے اور ان سات احادیث کو سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ابواب کے تحت متفرق طور پر نقل کیا ہے اور پھر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امام صاحب کے اساتذہ میں شمار بھی کیا ہے۔

چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں:

”لَقِيتُ سَبْعَةً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَسَمِعْتُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ حَدِيثًا“

”میں رسول اللہ ﷺ کے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملا ہوں اور ان میں سے ہر ایک سے میں نے ایک حدیث سنی ہے۔“

اور وہ ہیں: عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی، عبداللہ بن انیس، عبداللہ بن ابی اوفی، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، معقل بن یسار المزنی، واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہم ان تمام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ میں ان سے ملا ہوں اور فلاں حدیث کا سماع بھی کیا ہے، مثلاً دیکھیں: الموسوعة (٥٧٤ وغیرہ) ان سات احادیث کا ذکر ایک ہی سند سے اسی طرح شیخ الموفق المکی نے المناقب (١/٣٥، ٣٦) میں بھی کیا ہے۔

معقل بن یسار اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی حقیقت:

مگر قارئینِ کرام حیران ہوں گے کہ خود شیخ الموفق نے فرمایا ہے کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ تو بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت کے آخر میں فوت ہوئے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ٦٠ھ میں فوت ہوئے تو امام صاحب کی ان سے روایت کیسے تصور کی جاسکتی ہے جو ٨٠ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بالاتفاق ۷۹ھ میں فوت ہوئے جب کہ امام صاحب بالاتفاق ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اس لیے "لَقِیتُ" (میں ملا ہوں) کا لفظ راوی کا وہم ہے۔ (المناقب: ۲۸/۱، ۳۷)

علامہ الخوارزمی نے بھی یہی بات کہی ہے کہ جب امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے ۷۹ھ میں وفات پائی ہے تو "فَکَیفَ یُتَصَوَّرُ أَنْ یَّرْوِيَ عَنْهُ" (جامع المسانید: ۲٦/۱) پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام صاحب ان سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ مسعود بن شیبہ متصلب حنفی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو امام صاحب کا استاد قرار دیا ہے مگر مولانا عبدالرشید نعمانی نے ان کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ رہی وہ روایت جسے امام ابوحنیفہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو وہ مراسیل میں سے ہے، جیسا کہ حافظ خوارزمی نے مسند ابی حنیفہ میں کہا ہے۔ (حاشیہ مقدمہ کتاب التعلیم، ص: ۳٤) شیخ الکردری نے بھی فرمایا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ممکن نہیں۔ (المناقب: ۸۸/۱)

شیخ ابن خسرو کی عجیب جسارت:

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سنِ وفات میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مَاتَ قَبْلَ الثَّمَانِینَ" کہ وہ ۸۰ھ سے پہلے فوت ہوئے ہیں۔ (تهذیب: ۱۵۲/٤ ترجمه سلمة بن عمرو)

اور تقریب (ص: ۵۲) میں کہا ہے کہ وہ ۷۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔ گویا ۷۰ھ سے ۸۰ھ کے مابین ان کی وفات ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ۷۳، ۷۴، ۷۷، ۷۸ھ کے اقوال ہیں کہ اکثر کا رجحان ۷۸ھ کا ہے علامہ المزی نے یہی قول ابوعون المدنی،

خارجہ بن حارث، علی بن عبداللہ التیمی، ابو الحسن المدائنی، واقدی، مفضل بن غسان، یحییٰ بن بکیر، ابو عبید، عمرو بن علی، خلیفہ بن خیاط سے نقل کیا ہے۔ (تهذيب الكمال: ۲۹۸/۳، نیز دیکھیے: تاريخ دمشق: ۲۳۸/۱۱، ۲۳۹) البتہ امام طبرانی نے محمد بن عبداللہ بن نمیر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ۹۸ھ (ثمان وتسعين) میں فوت ہوئے۔ (المعجم الكبير: ۱۸۱/۲، رقم: ۱۷۳۷) مگر یہ "ثَمَانٍ وَّ سَبُعِيُنَ" ۷۸ھ سے تصحیف معلوم ہوتی ہے کیونکہ امام بغوی نے ابن نمیر ہی سے "ثَمَانٍ وَّ سَبُعِيُنَ" ہی نقل کیا ہے۔ (معجم الصحابة: ۱۴۷/) اسی طرح امام ابو نعیم الاصبہانی نے بھی ابن نمیر سے ۷۸ھ ہی میں ان کی وفات نقل کی ہے۔ (معرفة الصحابة: ۵۳۰/۲) حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "العبر" (۸۹/۱) علامہ ابن العماد نے "شذرات" (۸۴/۱) میں ان کی ۷۸ھ ہی میں وفات نقل کی ہے۔

لیکن اس حقیقت کے برعکس شیخ ابن خسرو نے ان کی وفات ۹۴ھ میں ذکر کی ہے۔ (مسند الإمام: ۲۳۶/۱) اور یہ غالباً محض اس لیے کہ امام صاحب کی ان سے ملاقات اور روایت ثابت کی جا سکے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ مگر ان کے ساتھ کسی نے موافقت نہیں کی، نہ شیخ موفق المکی نے، نہ شیخ الکردری نے، نہ علامہ الخوارزمی نے، حتی کہ مولانا عبدالرشید نعمانی نے بھی نہیں۔

علامہ قاسمی کی حیلہ جوئی:

اسی حوالے سے علامہ قاسمی نے تراجم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرمایا ہے:

"علماء کا اختلاف ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا نہیں؟ اکثر نے کہا ہے کہ نہیں سنا، کیوں کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ یوں ان کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع تصور کیا

جا سکتا ہے، لیکن امام نے یہ نہیں فرمایا: "سَمِعْتُ جَابِراً" میں نے
جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، بلکہ کہا ہے: "عَنْ جَابِرٍ" جابر سے روایت ہے،
اور یہ سماع پر دلالت نہیں کرتا۔" (الموسوعة: ١٦/٢١٣)

علامہ قاسمی نے ۶۱ھ میں پیدا ہونے کے قول کی گومن وجہ تردید کر دی ہے، مگر انھیں یہ بھی بتانا چاہیے تھا کہ ۶۱ھ کا قول خود امام صاحب کی تصریحات کے خلاف ہے: "وُلِدتُّ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ" کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا ہوں۔ (جامع المسانيد: ١/٢٤، الموسوعة الحديثية، رقم: ٥٦٦، ٥٧١، ٥٧٥، ٥٧٨، ٥٨٢ وغيره) بلکہ علامہ قاسمی نے حافظ ابن عبدالبر کی الانتقاء (ص: ١٩٢) کے حوالے سے قاضی ابو الحسن احمد بن محمد النیسابوری الحنفی (المتوفی: ۳۵۱ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ۸۰ھ میں امام صاحب کی پیدایش کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (الموسوعة: ٢/١٨، نیز دیکھیں: رد المحتار: ١/٦٦، المناقب للموفق: ١/٢٨) رہی یہ بات کہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ۶۱، ۷۰، ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ کوثری نے جو اسے اچھالا ہے تو اس کی خوب نقاب کشائی علامہ المعلمی نے "التنكيل" (١/١٨٢، ١٨٣) میں کر دی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ خود امام صاحب کی بات صحیح ہے یا کسی اور کے قول کی؟

علامہ قاسمی کی یہ حیلہ سازی بلکہ کذب بیانی بھی دیکھیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے امام صاحب نے روایت "سَمِعْتُ" کے لفظ سے، یعنی میں نے ان سے سنا ہے، بیان نہیں کی، بلکہ "عن" سے بیان کی ہے۔ یہی بات دراصل شیخ ابو المؤید الخوارزمی نے جامع المسانید کے مقدمہ (١/٢٥) میں اور ان کے جدِ امجد شیخ الموفق نے المناقب (١/٢٩) میں فرمائی ہے۔ حالانکہ علامہ قاسمی وغیرہ نے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماع پر مشتمل جو روایت نقل کی ہے ان میں اولاً تو یہ الفاظ ہیں:

"لَقِيتُ سَبْعَةً مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَسَمِعْتُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ خَبَراً"

"میں سات صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملا ہوں اور ہر ایک سے ایک حدیث سنی ہے۔"

پھر ان سے سماع کی روایات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

"وَلَقِيتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيَّ رضی اللہ عنہ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ الخ"

(الموسوعة: ٣١٩/٤، ٣٢٠، ٥٥/١٥)

میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے ملا ہوں اور ان سے میں نے سنا فرماتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سمع و اطاعت پر بیعت کی ہے۔ علامہ قاسمی نے اسے المسند للثعلبي سے نقل کیا۔ پھر یہی روایت "الأحاديث السبعة" کے حوالے سے (٥٥/١٥) بھی نقل کی ہے۔ جیسے شیخ الموفق نے المناقب (٣٥/١، ٣٦)، شیخ الکردری نے بھی المناقب (١٧/١) میں اسی طرح "سمعت" کے الفاظ سے نقل کی ہے۔ اگر یہ روایت اور اسی سند سے مروی باقی چھے احادیث بھی کسی درجے میں قابلِ اعتبار ہیں تو علامہ قاسمی صاحب وغیرہ کا فرمانا کہ امام صاحب نے "سمعت" نہیں کہا، سراسر خلافِ واقعہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ امام صاحب کے مناقب میں ایک یہ ہے کہ انھوں نے حضرت انس، عبداللہ بن الحارث بن جزء، عبداللہ بن انیس، سہل بن سعد الساعدی، واثلة بن اسقع، عبداللہ بن ابی اوفیٰ الانصاری، جابر بن عبداللہ، عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان سے فقہ کا سماع کیا ہے: "رَوَى عَنْهُمْ وَسَمِعَ مِنْهُمُ الْفِقْهَ" (مقدمه كتاب التعليم، ص: ١٨۔ ٢٢، الجواهر المضية: ٢٨/١) امام

ابو المکارم عبداللہ بن حسین النیسابوری نے ان سات احادیث پر مشتمل ایک مستقل کتاب "الأحاديث السبعة" کے نام سے لکھ دی۔ بعض دیگر حضرات نے بھی انھیں جمع کیا۔ بعض نے اس پر امام صاحب کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ دیکھیے: الدر المختار (١/٦٤، ٦٥) اگر ان حضرات کے نزدیک "سمعت" صحیح نہیں تو یہ مدح وستائش چہ معنی دارد؟

رہی وہ روایت جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معنعن روایت کی ہے تو یہ روایت شیخ ابن خسرو نے مسند الامام (١/٢٣٦) میں ذکر کی ہے اور علامہ قاسمی صاحب نے بھی اسے الموسوعة الحديثية (١٤/٢٩٣، ٢٩٥) میں المسند لمحمد بن عبد الباقي، المسند لابن خسرو، الأربعين المختارة للحافظ يوسف الصالحي اور المسند للثعالبي کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ ایک انصاری صحابی نے اولاد نہ ہونے کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ كَثْرَةِ الْاِسْتِغْفَارِ وَالصَّدَقَةِ يَرْزُقُ اللّٰهُ بِهِمَا الْوَلَدَ" (الموسوعة، رقم: ٩٧٨٨، ٩٧٨٩، ٩٧٩٠، ٩٧٩١، نیز دیکھیں: جامع المسانيد: ١/٢٤، المناقب للموفق: ١/٣٨)

یہ دراصل ایک ہی روایت ہے جو مختلف مراجع میں "أبو علی الحسن بن علي الدمشقي، حدثنا أبو الحسن علی أو الحسن بن غياث القاضي البغدادي، حدثنا محمد بن موسیٰ، حدثنا الجلودي محمد بن عياش عن التمتام يحییٰ بن القاسم عن أبي حنيفة عن جابر" کی سند سے منقول ہے۔

جب کہ یہ روایت موضوع ہے۔ حافظ سیوطی نے اسے "ذيل اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة" (رقم: ٥٤٦، ص: ٣٠٦) میں ذکر کیا ہے۔

لیکن انھوں نے وجہ وضع بیان نہیں کی، اسی بنا پر علامہ ابن عراق کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اسے موضوعات میں کیوں شامل کیا گیا ہے اور قرآن پاک شاہد ہے کہ استغفار اور صدقہ کا مال و اولاد کے لیے عمل دخل ہے۔

(تنزیه الشریعة: ۲/۱۴۳)

یہی دفاع علامہ قاسمی نے بھی نقل کیا۔ (الموسوعة: ۱۴/۲۹۳) حالانکہ خود قاسمی صاحب نے ہی علامہ عیسیٰ بن محمد الثعالبی (المتوفی: ۱۰۸۰ھ) کی مسند سے یہی روایت نقل کر کے ان کا یہ کلام نقل کیا ہے:

”حَدِيْثٌ مُنْقَطِعٌ، وَجَزَمَ الذَّهَبِيُّ فِيْ الْمِيْزَانِ وَالْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ اللِّسَانِ بِوَضْعِ هٰذَا الْحَدِيْثِ لٰكِنْ مَعْنَاهُ فِيْ الْاِسْتِغْفَارِ ثَابِتٌ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى“ (الموسوعة: ۱۴/۲۹۵)

”یہ حدیث منقطع ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے المیزان میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اللسان میں بالجزم اسے موضوع کہا ہے، لیکن استغفار کے بارے میں اس کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ثابت ہیں۔“

جیسا کہ سورت نوح [۱۰، ۱۲] میں ہے۔ علامہ شامی نے بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے اس کا موضوع ہونا نقل کیا ہے۔ (رد المحتار: ۱/۶۵)

اس لیے تنہا علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ہی اسے موضوع نہیں کہا۔ بلکہ شیخ خالد العواد کی تحقیق سے علامہ یوسف بن عبدالہادی (المتوفی: ۹۰۹) کی ”الأربعين المختارة عن حديث الإمام أبي حنيفة“ شائع ہوئی ہے اور اس کی آخری حدیث یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ شیخ العواد اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مَوْضُوْعٌ، كَمَا جَزَمَ بِهِ الذَّهَبِيُّ فِيْ الْمِيْزَانِ وَالْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ اللِّسَانِ فِيْمَا نَقَلَهُ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ الصَّالِحِيُّ

الدِّمَشْقِيُّ فِيْ عُقُوْدِ الْجُمَّانِ، (ص: ٥٩) وَالْعِلَّةُ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ فِيْهِ مِنْ قَبْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ مِنَ الرُّوَاةِ الْمَجَاهِيْلِ"

(حاشية الأربعين المختارة، ص: ٦٦، ٦٧)

"یہ موضوع ہے جیسا کہ ذہبی نے المیزان اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اللسان میں بالجزم کہا ہے، جیسا کہ حافظ محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی (المتوفی: ۹۴۲) نے عقود الجمان (ص: ۵۹) میں نقل کیا ہے اور اس میں علت امام ابوحنیفہ سے پہلے مجہول راویوں کی طرف سے ہے۔" واللہ اعلم

علاوہ ازیں شیخ خالد العواد نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کا راوی ابوعلی الحسن بن علی الدمشقی ہے وہ شاید وہی ہے جس کا ذکر (لسان: ٢/٢٣٦) میں ہے۔ ابن عساکر نے کہا ہے کہ اس کی احادیث اہلِ صدق کی مانند نہیں ہیں۔ بلکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ متہم ہے۔ (میزان: ١/٥١٠، المغني: ١/١٦٤، ذيل الديوان، ص: ٢٩) علامہ ابن عراق نے بھی "تنزیہ الشریعة" کے مقدمہ (ص: ٥٠) میں ابوعلی الدمشقی کو وضاعین میں شمار کیا ہے۔ اس حقیقت کے اعتراف کے بعد ان کا یہ کہنا کہ معلوم نہیں کہ علامہ سیوطی نے اسے موضوعات میں شمار کیوں کیا ہے، کیونکر قابلِ التفات ہوسکتا ہے؟!

مجہول راوی اور وضع حدیث:

ممکن نہیں کہ علامہ ابن عراق اس حقیقت سے بے خبر ہوں کہ مجہول راوی بھی وضع حدیث کا ارتکاب کرتے ہیں۔ خود انھوں نے تنزیہ الشریعة کے مقدمہ میں اسحاق بن محمد بن اسحاق السوسی کے بارے میں لکھا ہے:

"قَالَ الذَّهَبِيُّ: أَتَى بِمَوْضُوْعَاتٍ سَمِجَةٍ فِيْ فَضَائِلِ مُعَاوِيَةَ، فَالْبَلَاءُ مِنْهُ أَوْ مِنْ شُيُوْخِهِ الْمَجْهُوْلِيْنَ" (تنزيه، ص: ٣٧)

''ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بدنما وضعی فضائل ذکر کرتا ہے۔ مصیبت اس کی یا اس کے مجہول شیوخ کی طرف سے ہے۔''

تنزیہ کے اسی صفحہ پر اسحاق بن مسبح کے بارے میں لکھا ہے:

"اِتَّهَمَهُ ابْن عَبْدِ الْبَرِّ بِوَضْعِ الْحَدِيْثِ"

''حافظ ابن عبدالبر نے اسے وضع حدیث سے متہم کیا ہے۔''

یہ دراصل ان کے کلام کا خلاصہ ہے، ورنہ علامہ ابن عبدالبر کے الفاظ ہیں:

"وَضَعَهُ عَلَى مَالِكٍ رَجُلٌ يُقَالَ لَهُ: إِسْحَاقُ بْنُ مُسَبِّحٍ، مَجْهُوْلٌ" (التمهيد: ١٦/١٥٤، الميزان: ١/٢٠٠، لسان: ١/٣٧٦)

''اسے امام مالک رحمہ اللہ پر ایک شخص نے وضع کیا ہے جسے اسحاق بن مسبح کہا جاتا ہے جو مجہول ہے۔''

اس لیے اگر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کے وضع کی علت بیان نہیں کی تو اس کا باعث مسلسل راویوں کا مجہول ہونا ہے، ورنہ علامہ ابن عراق اور ان کے ہم خیال حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سند کے تراجم اور ان کی توثیق بیان کریں۔

ہر اچھی بات کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں۔ رہی ان کی یہ بات کہ اس حدیث کی تائید قرآن مجید سے ہوتی ہے تو اس سے حدیث کے ثبوت اور صحت کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کسی اچھی بات کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جائز ہے۔ علامہ المزی نے "الأربعون الودعانية" کے بارے میں نقد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"وَإِنَّ الْكَلَامَ الَّذِيْ فِيهَا حَسَنٌ وَمَوَاعِظُهَا مَوَاعِظَةٌ بَلِيْغَةٌ

فَلَيسَ لِأَحدٍ أَنْ يَنسِبَ حَرْفاً يَسْتَحْسِنُهُ مِنَ الْكَلَامِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَإِنْ كَانَ ذَلِكَ الْكَلَامُ فِيْ نَفْسِهِ حَقًّا، فَإِنَّ مَا قَالَ الرَّسُوْلُ فَهُوَ حَقٌّ، وَلَيسَ كُلُّ مَا هُوَ حَقٌّ قَالَهُ الرَّسُوْلُ (ﷺ)" (ذيل اللآلئ، ص: ٥٢٤، ط دار ابن حزم، ص: ٢٠٢ ط پاکستان)

''اور اگر ایسا کلام ہو جس میں خوبی ہو اور بلیغ وعظ ہو تو کسی کے لیے مناسب نہیں کہ ایک حرف جسے وہ اچھا سمجھتا ہے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرے اگرچہ وہ کلام فی نفسہ حق ہو، بے شک جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ حق ہے مگر ہر حق بات رسول اللہ ﷺ کی فرمودہ نہیں۔''

علامہ المزی کا یہی فرمان حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (لسان المیزان: ٥/٣٠٦) میں محمد بن علی بن ودعان کے ترجمہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس لیے قرآن مجید سے معناً اس کی تائید سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ روایت ہی درست ہے اور موضوع نہیں ہے۔

آخر میں اس بات کا اظہار بھی مناسب ہے کہ علامہ محمد بن یوسف الصالحی نے عقود الجمان میں اور علامہ عیسیٰ بن محمد الثعالبی نے اپنی مسند میں اگرچہ یہ فرمایا ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں بالجزم اسے موضوع قرار دیا ہے، مگر تتبع کے باوجود دونوں کتابوں میں یہ حدیث اور اس پر یہ حکم ناکارہ کو نہیں ملا۔ ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ [الطلاق: ١]

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جن حضرات نے امام صاحب کی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے ''سمعت'' کے بجائے ''عن'' سے روایت ہونے کا سہارا لیا ہے وہ بھی تارِ عنکبوت سے کمزور تر ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ''لَقِيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ''، ''وَسَمِعْتُهُ'' کے

الفاظ سے جو روایت ذکر کی جاتی ہے اس کا انکار علامہ الخوارزمی، موفق مکی وغیرہ سبھی کرتے ہیں اور معنعن روایت کا سہارا لیتے ہیں کہ یہ منقطع ہے، سماع صحیح نہیں۔ مگر اسی ''سَمِعْتُ'' کے لفظ سے جو روایت ہے وہ ایک ہی سند سے دراصل سات احادیث سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں: ''میں سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملا ہوں اور ہر ایک سے ایک روایت سنی ہے'' اور ان سات روایات پر مشتمل لکھنے والوں نے ''الأحاديث السبعة'' کے نام سے کتاب لکھی اور ان صحابہ سے سماع کا دعویٰ کرنے والوں نے اسے بطورِ ثبوت بھی پیش کیا، مگر مجال ہے کہ اس کے بے اصل اور وضعی حیثیت سے کسی نے نقاب کشائی کی ہو۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث:

ان سات روایات میں ایک معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بھی روایت ہے جس کے بارے میں منقول ہے:

''لَقِيتُ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ اَلْمَدَنِيَّ رضی اللہ عنہ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ''

(الموسوعة: ٣٢٠/٤، ٢٧/٦، ٢٨)

''میں معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے ملا ہوں اور میں نے ان سے سنا وہ فرماتے تھے۔''

حالانکہ علامہ الخوارزمی نے کہا ہے کہ حضرت معقل رضی اللہ عنہ بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ٦٠ ھ میں فوت ہوئے، جب کہ امام صاحب ٨٠ ھ میں پیدا ہوئے۔

(جامع المسانید: ٢٦/١، الموسوعة الحديثية: ٣٢٠/٤ وغيره)

یہی بات شیخ محمد ہاشم سندھی نے کہی ہے، جیسا کہ علامہ قاسمی نے اور مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے ان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (الموسوعة: ١١١/٢، حاشيه

مقدمه كتاب التعليم، ص: ٣٤) اسی حقیقت کا اعتراف شیخ موفق مکی نے المناقب (۳۷/۱) میں بھی کیا ہے۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی حدیث:

انھی سات روایات میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں انھیں ملا اور ان سے یہ حدیث سنی۔ (الموسوعة: ٣١٩/٤، ٢٨/٦، المناقب للموفق) اس حدیث کے الفاظ ہیں: "رأيت في عارضي الجنة مكتوباً ثلاثة أسطر" الخ.

یہاں پہلے تو یہ دیکھیں کہ مسند ابن خسرو میں ایک اور روایت ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ۹۴ھ میں فوت ہوئے اور میں نے انھیں دیکھا اور ان سے سنا، جب کہ میں ۱۴ سال کا تھا۔ ان سے میں نے سنا، فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، سنا فرماتے تھے:

"حُبُّكَ الشَّيْىءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ" (مسند ابن خسرو، رقم: ٥٦٩)

بلکہ مسند ابن خسرو (رقم: ٥٦٨ و ٥٧٠) میں ہے کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کوفہ ۹۴ھ میں تشریف لائے۔ نیز دیکھیں: المناقب للموفق (۳۰/۱، ۳۲)

أولاً: تو یہ دیکھیں کہ امام ابن عساکر نے یہی روایت تاریخ دمشق (۳۱۶/۱۳) میں ذکر کی ہے اور فرمایا ہے:

"هَذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَفِيْهِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْمَجَاهِيْلِ"

یہ حدیث اس سند سے منکر ہے اور اس میں بہت سے راوی مجہول ہیں۔ اور اس کا اعتراف علامہ قاسمی صاحب نے المسند لابن خسرو (۵۰۴/۲) کے حاشیے میں اور الموسوعة الحديثية (۴۷/۱۵، رقم: ۱۰۰۱۵) کے تحت بھی کیا ہے۔

ثانیاً: شیخ الکردری حنفی نے فرمایا ہے:

"لَكِنْ فِيْ مُلَاقَاةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ بِهٖ إِشْكَالٌ لِأَنَّ أَهْلَ السِّيَرِ وَالتَّوَارِيْخِ مُجْمِعُوْنَ عَلَى أَنَّهُ مَاتَ بِالْمَدِيْنَةِ عَامَ أَرْبَعٍ وَّخَمْسِيْنَ قَبْلَ وِلَادَةِ الْإِمَامِ بِسِنِيْنَ" (المناقب للكردري: ١٩/١)

"لیکن عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ملاقات میں اشکال ہے، کیونکہ اہلِ سیر و تواریخ کا اتفاق ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں ۵۴ھ میں، امام صاحب کی ولادت کے کئی سال پہلے فوت ہوئے تھے۔"

یہی بات حافظ یوسف بن عبدالہادی الصالحی کی کتاب "الأربعین المختارة" کے حوالے سے شیخ قاسمی نے نقل کی ہے۔ (الموسوعه: ٣٢٢/٤) اور یہی بات علامہ سیوطی نے بھی کہی ہے (تبييض الصحيفة، ص: ٣١) البتہ انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عبداللہ بن انیس نامی پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، امام صاحب نے جن سے روایت کی ہے شاید وہ عبداللہ بن انیس جہنی کے علاوہ ہوں۔

مگر اس تاویل کی تب گنجائش ہے جب اس کا سلسلہ سند قابلِ اعتبار ہو۔ یہ تو مجہول راویوں سے منقول ہے اور یہ حدیث اس سند سے منکر ہے۔ "تبییض الصحیفة" (ص: ٣٠) کے محشی مفتی مولانا محمد عاشق الٰہی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جامع المسانید میں ہی ہے، دیگر ذخیرہ کتبِ حدیث میں یہ کہیں نہیں۔

رہی بات کہ عبداللہ بن انیس نامی پانچ صحابی ہیں تو اس کی حقیقت الاصابہ دیکھنے سے واضح ہو جاتی ہے:

① **عبداللہ بن انیس الاسلمی**: ان کے بارے میں حافظ ابوموسیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ الجہنی ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کوئی بعید نہیں۔ یعنی کہ وہ الجہنی ہی ہوں گے۔

② **عبداللہ بن انیس السلمی:** حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اولاً تو اس کی سند میں محمد بن حسن المخزومی ضعیف ہے اور السلمی کہنا اس کا وہم معلوم ہوتا ہے، وہ الجہنی ہی ہیں۔

③ عبداللہ بن انیس العامری: یہ دراصل عبداللہ بن عامر بن انیس ہیں اور ان کے ثبوت کا دارومدار یعلیٰ بن الاشدق پر ہے جو کذاب ہے۔ ملاحظہ ہو: الإصابة (٢٥/٦، ٢٢٠)، مجمع الزوائد (٤٠٢/٩، ٤٠٣)

④ **عبداللہ بن انیس الانصاری او الزهری:** حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "تقدم في الذي قبله" کہ ان کا ذکر پہلے عبداللہ بن انیس جہنی کے ترجمہ میں گزرا ہے اور ان کے ترجمہ میں یہ صراحت ہے: "زهري من بطن جهينة" "زہری قبیلۂ جہینہ کی شاخ ہے۔" (الإصابة) بعض حضرات نے بلاشبہ دونوں کے درمیان تفریق کی ہے، لیکن بہت سے حضرات نے دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی قابلِ اعتماد بات ہے، کیونکہ انصاری ہونا جہنی ہونے کے منافی نہیں، کیونکہ وہ انصار کے حلیف تھے۔ (تهذيب: ١٣١/٥، ١٣٢)

⑤ **عبداللہ بن انیس جہنی:** معروف صحابی ہیں اور وہی ۵۴ھ میں شام میں فوت ہوئے تھے۔

یہ ہیں پانچ عبداللہ بن انیس صحابہ کی نوعیت، علامہ سیوطی حاطب اللیل معروف ہیں، انھوں نے "اندھیرے" میں بات کہہ دی تو کچھ حضرات اس پر فریفتہ ہو گئے۔ یہ نہ دیکھا کہ اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے۔ علامہ شامی نے تو یہ کہہ کے اس غبارے سے ہوا نکال دی: "وَرُدَّ بِأَنَّ غَيْرَهُ لَمْ يَدْخُلِ الْكُوفَةَ" کہ یہ کہنا شاید عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا صحابی عبداللہ بن انیس ہوسکتا ہے تو اس کی تردید

اس سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی کوفہ میں نہیں گیا۔ (رد المحتار: ۱/۶۵) کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے وہ ۹۴ھ میں کوفہ آئے تھے، میں نے ان کی زیارت کی اور حدیث کا سماع کیا۔ کیا ہی خوب ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ یہ بھی بتا دیتے کہ ان ''پانچ'' میں کون کون کوفہ آئے تھے؟ اسی سے اس روایت کی قلعی بھی کھل جاتی ہے جو عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے صراحتِ سماع سے منقول ہے بالخصوص جب کہ اس کی سند مجاہیل پر مبنی ہے۔

عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث:

انھی سات احادیث میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے والد صاحب سے عرض کی کہ میں ان سے حدیث سننا چاہتا ہوں تو انھوں نے مجھے اپنے کندھے پر بٹھایا اور ان کی خدمت میں لے گئے، انھوں نے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: میں آپ سے حدیث کا سماع چاہتا ہوں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، تو انھوں نے یہ حدیث سنائی:

''إِغَاثَةُ الْمَلْهُوفِ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، وَمَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّهُ، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ''

(الموسوعہ: ۴/۳۱۹، ۳۲۱)

سات احادیث جو ایک ہی سند سے مروی ہیں اس کی پوزیشن تو ہماری سابقہ گزارشات سے واضح ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت ہلال بن العلاء اپنے باپ سے اور وہ امام صاحب سے بیان کرتے ہیں۔ اسے شیخ موفق نے ''المناقب'' (۱/۳۵) میں بھی ذکر کیا ہے۔ بعض مراجع میں ہلال بن ابی العلاء ہے، مگر صحیح ہلال بن العلاء ہے اور وہ اپنے باپ العلاء بن ہلال بن عمر باہلی سے روایت کرتے ہیں، جن

کے بارے میں انہی کے فرزند فرماتے ہیں کہ علاء ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

(تهذيب للمزي: ١٤/ ٥٠٧، تهذيب للحافظ: ١٠/ ٤٢٢، ط جمعية دار البر)

اس لیے پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب امام صاحب بالاتفاق ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے تو ۱۵۰ھ میں پیدا ہونے والے العلاء نے یہ سات صحابہ سے روایت کی داستان کیسے سن لی؟

دوسری بات یہ کہ اسی العلاء بن ہلال کا حال یہ ہے کہ امام ابو حاتم نے فرمایا ہے:

"مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ، ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ، عِنْدَهُ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ زُرَيْعٍ أَحَادِيْثُ مَوْضُوْعَةٌ"

"وہ منکر الحدیث، ضعیف الحدیث، اس کے پاس یزید بن زریع سے من گھڑت روایات ہیں۔"

امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ہلال بن العلاء اپنے باپ سے منکر حدیث روایت کرتا ہے، معلوم نہیں یہ نکارت اس سے ہے یا اس کے باپ سے۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ اس کی بعض احادیث میں نکارت ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ اسانید کو بدل دیتا ہے اور ناموں کو بھی تبدیل کر دیتا تھا، اس سے استدلال جائز نہیں۔ (تهذيب، ميزان: ٣/ ١٠٦، ديوان الضعفاء، ص: ٢١٨)

یاد رہے کہ المغني (٢/ ٤٤١) میں امام بخاری وغیرہ کا قول منقول ہے: منکر الحدیث، مگر یہ قول امام ابو حاتم کا ہے، امام بخاری کا نہیں۔ لہٰذا جب العلاء منکر الحدیث ہے اور یہ روایت بھی منقطع ہے تو اس سے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماع کے قصے کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ اس متن کے پہلے حصے کا بھی کوئی شاہد نہیں ہے۔ رہا دوسرا حصہ: "ومن تفقه في دين الله" تو یہ دوسری اسانید سے بھی مروی ہے مگر وہ سب کی سب سخت ضعیف ہیں جس کی دلچسپ تفصیل اس فقیر کے مقالات کی چھٹی جلد

میں مسند لابن خسرو پر تبصرہ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہی حدیث علامہ یوسف بن عبدالهادی نے ”الأربعين المختارة من حديث الإمام أبي حنيفة“ میں بھی ذکر کی ہے اور یہی روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان الميزان (۲۷۱/۱) میں احمد بن الصلت کے ترجمہ میں، الموفق المکی نے مناقب میں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ذيل الموضوعات (ص: ۱۱۰) میں اور علامہ الخوارزمی نے جامع المسانيد (۲٤/۱) میں ذکر کی ہے جس کی سند یہ ہے:

”أبو على الدمشقي أخبرنا أبو زُفَر الطبري أخبرنا أبو بكر البغدادي أخبرنا محمد بن أحمد بن سماعة أخبرنا بشر بن الوليد أخبرنا أبو يوسف القاضي أخبرنا أبو حنيفة“

(الأربعین، ص: ۳۰)

یہ ”الأربعین“ شیخ خالد عواد کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے اور انھوں نے اپنے مسلکی تناظر میں اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان میں اسے ”باطل“ کہا ہے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ذیل الموضوعات میں بھی ان سے اس کا باطل ہونا نقل کیا ہے۔ شیخ خالد نے یہ بھی ذکر کیا ہے:

”حافظ عراقی اور شیخ قاسم الحنفی نے فرمایا ہے جیسا کہ عقود الجمان (ص: ۵۸) میں ہے کہ اس کی سند میں قلب و تحریف واقع ہوئی ہے۔ راوی ”أبو مكرم البغدادي أخبرنا محمد بن أحمد بن سماعة“ نہیں بلکہ ”مكرم عن أحمد بن محمد“ ہے اور وہ ابن الصلت ہے جو کذاب ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ کذابین میں اس سے بڑا بے حیا میں نے نہیں دیکھا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اللسان میں اسے کذاب کہا ہے۔“

(حاشیته، الأربعین)

علاوہ ازیں سند میں ابوعلی الدمشقی ہے اور وہ الحسن بن علی الدمشقی متہم بالکذب ہے جیسا کہ لسان (۲/۲۳٦)وغیرہ کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اور کوئی بعید نہیں کہ سند میں یہ تحریف اسی کی کارستانی ہو۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر مفصل کلام فقیر کے مقالات کی چھٹی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ المعلمی نے بھی التنکیل (۱/۱۷٤، ۱۸۳) میں اس پر بڑی نفیس بحث کی ہے۔ افسوس ہے کہ ان روایات کی حقیقت بیان کر دینے کے باوجود محض علامہ الکوثری کی اندھی تقلید میں یہ باتیں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ اگر یہ حضرات اس پر مزید کچھ لکھیں تو ہم بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔

حدیث عائشۃ بنت عجرد:

جن سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک ساتھ روایت کا ذکر ہے ان میں ایک "عائشة بنت عجرد" کا بھی ذکر ہے کہ وہ صحابیہ ہیں اور امام صاحب نے ان سے حسبِ ذیل روایت سنی ہے:

"أَكْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰهِ فِيْ الْأَرْضِ الْجَرَادُ، لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ"

(الموسوعة: ٣٢٠/٤، ١٣/٢٧٧ـ٢٨١)

أولاً: عرض ہے کہ امام صاحب نے ایک موقوف روایت غسلِ جنابت میں کلی اور ناک جھاڑنے کے بارے میں بواسطہ "عثمان بن راشد عن عائشة بنت عجرد عن ابن عباس" روایت کی ہے جسے قاضی ابو یوسف نے کتاب الآثار میں، امام ابونعیم وغیرہ نے امام صاحب کی مسند میں اور امام دارقطنی اور امام بیہقی نے روایت کیا، جیسا کہ "الموسوعة" (جلد: ١٣)میں ہے اور امام بیہقی نے امام دارقطنی سے نقل کیا ہے:

"لَيسَ لِعَائِشَةَ بِنتِ عَجرَدٍ إِلَّا هَذَا الحَدِيثُ"

(معرفة السنن، الموسوعة: ٢٦٣/٥)

''عائشہ بنت عجرد کی صرف یہی حدیث ہے۔''

جس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ بنت عجرد سے اس کے علاوہ اور کوئی حدیث مروی نہیں۔ افسوس علامہ قاسمی اس حوالے سے بالکل خاموش ہیں، بلکہ مولانا ابو الوفاء نے الآثار لأبي یوسف کے حاشیہ (ص: ١٣، رقم: ٥٩) کے تحت لکھا ہے: "أَمَّا عَائِشَةُ فَقَالُوا: لَا تَكَادُ تُعرَفُ" ''عائشہ بنت عجرد کا اتا پتا نہیں۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لَا تَكَادُ تُعرَفُ، قَالَ الدَّارَقُطنِيُّ، لَا تَقُومُ بِهَا حُجَّةٌ، وَيُقَالُ: لَهَا صُحبَةٌ، وَلَم يَثبُتُ ذَلِكَ" (میزان: ٣٦٤/٢)

''وہ معروف نہیں، امام دارقطنی نے فرمایا ہے کہ اس سے حجت قائم نہیں ہوتی اور کہا گیا کہ انھیں شرفِ صحبت حاصل ہے، لیکن یہ ثابت نہیں۔''

علامہ ابن اثیر اور حافظ ذہبی کا یہ کلام علامہ قاسمی نے حاشیہ مسند ابن خسرو (٥٠٦/١۔٥٠٧) میں بھی کیا اور اس کا کوئی انکار نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حافظ ابو موسیٰ نے "ذیل الصحابة" میں ابو احمد محمد بن عبداللہ حدثنا ابن ابی حاتم حدثنا عباس الدوری حدثنا یحییٰ بن معین کی سند سے بیان کیا ہے:

"إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ صَاحِبَ الرَّأيِ سَمِعَ عَائِشَةَ بِنتَ عَجرَدٍ تَقُولُ سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: أَكثَرُ جُنُودِ اللّٰهِ فِي الأَرضِ...." الحديث

''ابو حنیفہ صاحب الرای نے عائشہ بنت عجرد سے سنا ہے، فرماتی تھیں کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ زمین میں سب سے بڑا اللہ کا لشکر ٹڈی دَل ہے۔''

حافظ ابو موسیٰ نے فرمایا ہے کہ ابو احمد محمد بن عبداللہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے ابن ابی حاتم سے اسے بیان کیا ہے، مگر اس میں: ''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ'' کا ذکر نہیں۔ (لسان: ۲۲۷/۳)

عرض ہے کہ ابو احمد محمد بن عبداللہ کے علاوہ بھی بعض نے ''سمعت رسول اللہ ﷺ'' کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ''الموسوعة الحديثية'' میں اور المسند للخوارزمی وغیرہ میں ہے۔ گو ان کی اسانید محلِ نظر ہیں اور الجرح والتعدیل میں تو عائشہ بنت عجرد کا ترجمہ نہیں، البتہ امام یحییٰ بن معین کی التاریخ بروایۃ عباس الدوری میں ان کا ترجمہ موجود ہے، جس کے الفاظ ہیں:

''سَمِعْتُ يَحْيَى يَقُوْلُ: أَبُوْ حَنِيْفَةَ صَاحِبُ الرَّأْيِ قَدْ سَمِعَ عَائِشَةَ بِنْتَ عَجْرَدٍ، فِيْمَا قَالَ'' (التاریخ: ۴۸۰/۳، رقم: ۲۳۴۷: ۶۰۷/۲)

اب اس میں تو ''سمعت رسول اللہ ﷺ'' نہیں ہے اور یہ بھی صراحت نہیں کہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے انھیں صحابیہ سمجھا ہے، البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ان سے سماع کے بارے میں امام یحییٰ کا یہ فرمانا: ''فیما قال'' جیسا کہ انھوں نے کہا ہے۔ امام صاحب کے سماع کو مشکوک بنا دیتا ہے، کیوں کہ انھوں نے عموماً عائشہ سے بواسطہ عثمان بن راشد سنا ہے۔

علامہ ابن اثیر نے حافظ ابو موسیٰ کے حوالے سے عائشہ کا ذکر أسد الغابة (۵۰۵/۵) میں کیا ہے اور بالآخر عثمان بن راشد عن عائشہ کی روایت کا اشارہ کر کے کہا ہے: ''وَهِيَ مِنَ التَّابِعِيْنَ ذَكَرَهَا كَثِيْرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِيْهِمْ'' ''یہ تابعین میں

سے ہے، بہت سے علماء نے انھیں تابعین میں ذکر کیا ہے‘‘ بلکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی حافظ ابو موسیٰ کے حوالے سے ہی عائشہ کا فی الجملہ صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”عَائِشَةُ مِنَ الْأَوْهَامِ، وَإِنَّمَا هِيَ بِنْتُ عَجْرَدٍ سَمِعَتِ ابْنَ عَبَّاسٍ فِيْ الْغُسْلِ، قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: لَيْسَ لَهَا سِوَاهُ، رَوَى أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ رَاشِدٍ عَنْهَا وَقِيْلَ رَوَى عَنْهَا، قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ: لَهَا صُحْبَةٌ، فَشَذَّ“ (س)، (تجريد الصحابة: ٢٨٦/٢)

”عائشہ، ان کا (صحابہ میں) ذکر وہم ہے، اور وہ بنت عجرد ہیں جنھوں نے غسل کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حدیثِ غسل کے علاوہ اس کی کوئی حدیث نہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بواسطہ عثمان بن راشد ان سے روایت کی ہے اور کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے براہِ راست ان سے روایت کی ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا ہے وہ صحابیہ ہیں، مگر یہ قول شاذ ہے۔“

غور فرمایا آپ نے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک تو امام صاحب کا ان سے براہِ راست روایت لینے کو ”قیل“ سے ذکر کیا، دوسرا یہ کہ امام ابن معین کے قول کہ وہ صحابیہ ہیں کو شاذ قرار دیا، بلکہ المغنی فی الضعفاء میں فرمایا:

”عَائِشَةُ بِنْتُ عَجْرَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: لَا تَقُوْمُ بِهَا حُجَّةٌ“ (المغني: ٣٢٥/١)

جس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ عائشہ صحابیہ ہیں۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حافظ ابو موسیٰ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے: ”ذكروها في التابعيات“

''اس کا ذکر محدثین نے تابعیات میں کیا ہے۔'' اور امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو لوگ ہمیں مطعون کرتے ہیں کہ تم بسرۃ بنت صفوان کی حدیث سے استدلال کرتے ہو وہ خود عائشہ بنت عجرد وغیرہ مجہول خواتین کی احادیث روایت کرتے اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ (لسان: ۲۲۸/۳)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

''عُثْمَانُ بْنُ رَاشِدٍ وَ عَائِشَةُ بِنْتُ عَجْرَدٍ غَيْرُ مَعْرُوْفِيْنَ بِبَلَدِهِمَا'' (السنن الکبریٰ: ۱۷۹/۱، المعرفۃ: ۲۲۵/۱)

''عثمان بن راشد اور عائشہ بنت عجرد اپنے بلاد میں غیر معروف ہیں۔''

یہی بات علامہ زیلعی نے بھی ذکر کی ہے۔ (نصب الرایۃ: ۷۹/۱) علامہ شامی رحمہ اللہ بھی بحوالہ ابن حجر ہیتمی رقمطراز ہیں:

''وَاعْتُرِضَ بِأَنَّ حَاصِلَ كَلَامِ الذَّهَبِيِّ وَشَيْخِ الْإِسْلَامِ ابْنِ حَجَرٍ الْعَسْقَلَانِيِّ أَنَّ هٰذِهٖ لَا صُحْبَةَ لَهَا، وَأَنَّهَا لَا تَكَادُ تُعْرَفُ وَبِذٰلِكَ رُدَّ مَا رُوِيَ أَنَّ أَبَا حَنِيْفَةَ رَوٰى عَنْهَا هٰذَا الْحَدِيْثَ الصَّحِيْحَ: أَكْثَرُ جُنْدِ اللّٰهِ'' الخ (رد المحتار: ۹۵/۱، ۹۶)

''اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ ذہبی اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی کے کلام کا یہ خلاصہ ہے کہ یہ صحابیہ نہیں، بلکہ یہ غیر معروف ہے اور اسی سے رد ہوتا ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس سے یہ حدیث صحیح روایت کی ہے: زمین پر سب سے بڑا لشکر ٹڈی دَل ہے۔''

گویا یہ حدیث تو صحیح ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جو عائشہ سے اسے روایت کیا ہے صحیح نہیں، کیونکہ وہ صحابیہ نہیں، بلکہ مجہول ہے۔

اسی طرح شیخ علامہ محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی اپنے ثبت ''اتحاف الاکابر بمرویات شیخ عبد القادر'' میں امام صاحب کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کے ثبوت کی مدلل تردید کے بعد لکھتے ہیں:

''وَأَمَّا عَائِشَةُ بِنْتُ عَجْرَدٍ فَقَدْ أَدْرَكَهَا أَبُوْ حَنِيْفَةَ۔ وَ رَوَى عَنْهَا، لَكِنَّهَا لَيْسَتْ بِصَحَابِيَّةٍ، بَلْ هِيَ تَابِعِيَّةٌ صَرَّحَ بِهِ ابْنُ الْأَثِيْرِ فِيْ أُسُدِ الْغَابَةِ وَالذَّهَبِيُّ فِي الْمِيْزَانِ وَالْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ لِسَانِ الْمِيْزَانِ'' وَاللّٰهُ تَعَالىٰ أَعْلَمُ

(بحواله حاشيه مقدمه كتاب التعليم، ص: ٣٤)

''اور رہی عائشہ بنت عجرد تو انھیں ابو حنیفہ ملے ہیں اور اس سے روایت کی ہے، لیکن وہ صحابیہ نہیں، بلکہ تابعیہ ہے جیسا کہ ابن اثیر نے اسد الغابۃ، ذہبی نے میزان اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں صراحت کی ہے۔''

اس سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عائشہ صحابیہ نہیں ہیں، بلکہ مجہول ہیں اور یہ بات امام شافعی، حافظ ابو موسیٰ مدینی، امام دارقطنی، بیہقی، ابن اثیر، ذہبی، ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے نہیں کہی، بلکہ اس کا اعتراف علامہ زیلعی، علامہ شامی، ابن حجر ہیتمی، علامہ محمد ہاشم سندھی اور علامہ قاسمی نے بھی کیا ہے۔

مولانا نعمانی کے دفاع کی پوزیشن:

اس کے برعکس مولانا عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ اور دیگر بعض حضرات نے جو فرمایا ہے وہ بڑا باعثِ عبرت اور حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

''ملک الحفاظ یحییٰ بن معین جوفنِ جرح و تعدیل کے مسلم الثبوت امام اور علمِ حدیث کے ایک عنصر خیال کیے جاتے ہیں، اپنی تاریخ میں رقمطراز ہیں: ''إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ صَاحِبَ الرَّأْيِ سَمِعَ عَائِشَةَ بِنْتَ عَجْرَدٍ تَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَكْثَرُ جُنْدِ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ الْجَرَادِ لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ'' (لسان) دیکھیں: اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ بنت عجرد سے سنا ہے الخ۔'' (ابن ماجہ اور علمِ حدیث، ص: ۱۱۶)

امام یحییٰ بن معین کے بارے میں یہ تعریفی کلمات محض اس پسِ منظر میں ہیں کہ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ عائشہ بنت عجرد صحابیہ ہیں اور امام صاحب نے ان سے سنا ہے، ورنہ یہی امام ابن معین ہیں جنھوں نے امام محمد بن حسن شیبانی کی ''الجامع الصغیر'' کو ان سے نقل کیا ہے، ان کے بارے میں اپنی ''التاریخ'' (رقم: ۱۷۷۰) میں فرماتے ہیں: ''مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِيُّ لَيْسَ بِشَيْئٍ'' اور حسن بن زیاد اللؤلؤی کو کذاب کہتے ہیں۔ (التاریخ: ۱۷٦٥) علاوہ ازیں امام صاحب کو ''صاحب الرأی'' قرار دیتے ہیں۔ کیا یہ سب اقوال نعمانی صاحب تسلیم کرتے ہیں؟!

ثانیاً: نعمانی صاحب نے امام ابن معین کا یہ قول لسان المیزان سے ادھورا نقل کیا ہے، جب کہ لسان میں اس کے متصل بعد ذکر کیا گیا ہے: ''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ'' کے الفاظ بعض راوی ذکر نہیں کرتے بلکہ حافظ ابوموسیٰ جو اس روایت کے راوی ہیں انھوں نے صراحتاً فرمایا ہے کہ محدثین اسے تابعیات میں ذکر کرتے ہیں۔

ثالثاً: امام ابن معین رحمہ اللہ کا قول ان کی التاریخ کے حوالے سے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں اس میں بھی ''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ'' کے الفاظ نہیں، بلکہ امام

صاحب کا عائشہ سے سماع کے بارے میں بھی انھوں نے فرمایا ہے: ''فِیمَا قَالَ''
جیسا کہ کہا ہے۔ کیا اس کے بعد یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے عائشہ سے سنا
ہے؟ بالخصوص جب کہ وہ عثمان بن راشد کے واسطے سے ان سے روایت کرتے ہیں۔
اس لیے نعمانی صاحب کا امام ابن معین کے حوالے سے سماع کا دعویٰ بالکل مخدوش اور
ناقابلِ اعتبار ہے۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی کا وہم:

علامہ زبیدی نے عائشہ بنت عجرد کی یہی روایت مسند ابن خسرو سے نقل کر
کے فرمایا ہے:

''كَذَا رَوَاهُ ابْنُ خُسْرُوْ وَسِمَاعُ الْإِمَامِ مَنِ ابْنَةِ عَجْرَدٍ ثَابِتٌ، نَقَلَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِيْ جَامِعِ بَيَانِ الْعِلْمِ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُعِيْنٍ'' (عقود الجواهر: ۲/۱۲٤، ۱۲٥)

''جیسا کہ ابن خسرو نے اسے روایت کیا ہے اور امام صاحب کا عائشہ بنت عجرد سے سماع ثابت ہے جسے ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے۔''

لیکن یہ علامہ زبیدی کا وہم ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں
امام یحییٰ بن معین سے امام صاحب کا عائشہ سے سماع کا قطعاً ذکر نہیں کیا، انھوں نے
صرف حضرت انس اور عبداللہ بن الحارث کی رؤیت کا بحوالۂ ابن سعد ذکر کیا ہے۔
(جامع: ۱/٤٥)

افسوس ہے کہ تبییض الصحیفة کے متعصب حنفی محقق ومحشی محمد عاشق الٰہی
برنی نے بھی مکھی پر مکھی ماری اور اس کے حاشیہ (ص: ۳۲) میں علامہ الزبیدی سے یہی

الفاظ نقل کر کے مطمئن ہو گئے کہ سماع ثابت ہو گیا۔ (سبحان اللہ) برنی صاحب کی بددیانتی کی انتہا دیکھیے، لکھتے ہیں:

"أَثْبَتَ سِمَاعَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ مِنْ عَائِشَةَ بِنْتِ عَجْرَدٍ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْأَثِيْرِ فِيْ أُسْدِ الْغَابَةِ وَالْحَافِظُ الذَّهَبِيُّ فِيْ تَجْرِيْدِ أَسْمَاءِ الصَّحَابَةِ" (حاشيه تبييض، ص: ٢٤)

''امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا عائشہ بنت عجرد سے سماع یحییٰ بن معین نے ثابت کیا ہے، جیسا کہ اس کا ذکر ابن اثیر رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تجرید اسماء الصحابۃ میں کیا ہے۔''

حافظ ابن اثیر اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی مکمل عبارتیں پہلے ہم نقل کر آئے ہیں، انھوں نے امام یحییٰ بن معین کے قول سے سماع کا ثبوت دیا ہے یا ان کی تردید کی ہے؟ انھوں نے تو ان کا قول نقل کر کے تردید کر دی، مگر جناب البرنی صاحب کو اس سے سماع کا ثبوت نظر آ رہا ہے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

مولانا نعمانی کے انکار کا جائزہ:

''ابن ماجہ اور علمِ حدیث'' کے علاوہ مولانا نعمانی نے ''مقدمہ کتاب التعلیم'' کے حواشی میں بھی کچھ باتیں فرمائی ہیں، اب ان کی حقیقت بھی دیکھ لیجیے، فرماتے ہیں:

''شیخ ہاشم سندھی نے ابن اثیر، ذہبی، ابن حجر کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے جو فرمایا ہے کہ وہ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں۔ انھوں نے دراصل اپنے امام، امام شافعی کی پیروی میں یہ بات کہی کہ وہ عائشہ کو نہیں جانتے۔ "إِنَّ هٰؤُلَاءِ إِنَّمَا تَبِعُوْا إِمَامَهُمْ"'' (حاشیہ، ص: ٤٢)

أولاً: عرض ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جس روایت کے تناظر میں عائشہ بنت عجرد

کو ''غیر معروف'' کہا ہے اس میں اس کے صحابیہ ہونے کا کوئی اشارہ نہیں۔ جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ جب کہ انھیں تابعیہ کہنے کی بات امام ابوموسیٰ محمد بن ابی بکر عمر شیخ الاسلام المدینی نے ائمۂ کرام سے ''ذیل معرفة الصحابة'' میں فرمائی ہے اور یہ اسی روایت کے پسِ منظر میں ہے جس کی بنیاد پر انھیں صحابیہ باور کرانے پر نعمانی صاحب اور ان کے ہم نوا ادھار کھائے بیٹھے ہیں، جیسا کہ پہلے ہم نقل کر آئے ہیں۔

ثانیاً: امام مدینی رحمہ اللہ کے علاوہ اس کے صحابیہ نہ ہونے کی تصریح حافظ ابن اثیر، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر نے ہی نہیں کی بلکہ اس کا اعتراف شیخ ہاشم کے علاوہ علامہ زیلعی، علامہ شامی وغیرہ نے بھی کیا ہے۔

ثالثاً: اگر بالفرض عائشہ کو تابعیہ کہنے میں حافظ ابن اثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی پیروی کی ہے تو کیا انھیں صحابیہ باور کرانے میں امام یحییٰ بن معین کی پیروی کا نتیجہ نہیں؟ مولانا نعمانی نے حافظ ذہبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام یحییٰ بن معین غالی حنفی تھے: ''مِنَ الْحَنَفِيَّةِ الْغُلَاةِ فِيْ مَذْهَبِهِ'' (حاشیه ما تمس إلیه الحاجه، ص: ٢٧ طبع پاکستان، ص: ١٢٨ مکتب المطبوعات الإسلامیة، حاشیه مقدمة کتاب التعلیم، ص: ٣٤٥) تو کیا عائشہ کو صحابیہ کہنا کہیں اسی غلو کا نتیجہ تو نہیں؟ اور کیا بعض غالی حنفیوں کے علاوہ کسی نے ان کے موقف کی تائید کی ہے؟

رابعاً: امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید تو متاخرین محدثین نے حتی کہ بعض کبار علمائے احناف نے بھی کی۔ مگر کسی نے انھیں امام شافعی رحمہ اللہ کی پیروی کا طعنہ نہیں دیا۔ مولانا نعمانی پہلے بزرگ ہیں جن کے حنفیت میں غلو کا اعتراف خود علمائے احناف کو بھی ہے، جنھوں نے اس طعن کی جسارت کی ہے۔ فاعتبروا یا أولي الأبصار

خامساً: مولانا نعمانی نے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ

امام یحییٰ بن معین نے امام شافعی رحمہ اللہ پر کلام کیا ہے مگر:

”وَلَمْ يَلْتَفِتِ النَّاسُ إِلَى كَلَامِهِ فِي الشَّافِعِيِّ وَلَا إِلَى كَلَامِهِ فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَثْبَاتِ، كَمَا لَمْ يَلْتَفِتُوا إِلَى تَوْثِيْقِهِ لِبَعْضِ النَّاسِ، فَإِنَّا نَقْبَلُ قَوْلَهُ دَائِماً فِي الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ، وَنُقَدِّمُهُ عَلَى كَثِيْرٍ مِنَ الْحُفَّاظِ مَا لَمْ يُخَالِفِ الْجُمْهُوْرَ فِي اجْتِهَادِهِ، فَإِذَا انْفَرَدَ بِتَوْثِيْقِ مَنْ لَيَّنَهُ الْجُمْهُوْرُ، أَوْ بِتَضْعِيْفِ مَنْ وَثَّقَهُ الْجُمْهُوْرُ وَقَبِلُوْهُ، فَالْحُكْمُ لِعُمُوْمِ أَقْوَالِ الْأَئِمَّةِ لَا لِمَنْ شَذَّ الخ“

(حاشيه مقدمة كتاب التعليم، ص: ٣٤٤، ٣٤٥)

”اور لوگوں نے امام شافعی رحمہ اللہ پر ان کے کلام کی طرف التفات نہیں کیا، جیسا کہ انھوں نے ان کی بعض کی توثیق کی طرف التفات نہیں کیا۔ ہم ان کا جرح و تعدیل میں وہی قول قبول کرتے ہیں اور انھیں اکثر حفاظ پر مقدم رکھتے ہیں جب جمہور نے ان کی مخالفت نہ کی ہو، جب وہ توثیق میں منفرد ہوں جسے جمہور نے کمزور قرار دیا ہو یا انھوں نے اس کی تضعیف کی ہو جسے جمہور نے ثقہ قرار دیا ہو تو فیصلہ عموماً ائمہ کے اقوال کے مطابق ہوگا نہ اس کے مطابق جس میں وہ اکیلے ہوں۔“

لیجیے جناب! عائشہ کو جو امام ابن معین رحمہ اللہ نے صحابیہ قرار دیا ہے اس کی کسی اور نے موافقت نہیں کی، بلکہ اسے امام ابن اثیر نے شاذ قرار دیا ہے اور بہت سے حضرات نے ان کی تائید کی ہے، آخر خود غرضی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ کاش نعمانی صاحب امام ابن معین کے بارے میں حافظ ذہبی کے قول کو یہاں قبول کر لیں۔ جیسے انھوں نے ان کے اس قول کے آخر میں حافظ ذہبی کے قول کو قبول کیا ہے کہ امام

ابن معین غالی حنفی تھے۔ اسی عصبیت کی بنا پر انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ پر کلام کیا ہے تو کیا عائشہ کے بارے میں امام ابن معین رحمہ اللہ کا قول کہیں امام شافعی کی مخالفت تو نہیں؟ قارئین کرام سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ یہ جواب ''جواب آں غزل'' کے طور پر پڑھا جائے۔

اس کے علاوہ نعمانی صاحب فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ نے جس روایت کے تناظر میں عائشہ کے صحابیہ ہونے کا انکار کیا ہے وہ کتاب الآثار وغیرہ میں "أبو حنيفة عن عثمان بن راشد عن عائشة عن ابن عباس" کی سند سے ہے اور عثمان سے یہی روایت سفیان ثوری بھی بیان کرتے ہیں، لہٰذا عثمان بن راشد سے امام ابوحنیفہ اور امام سفیان روایت کرتے ہیں تو عثمان مجہول نہیں۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (التعجيل) اور عائشہ سے امام ابوحنیفہ کے علاوہ عثمان بن راشد اور الحجاج بن ارطاۃ بھی روایت کرتے ہیں۔ (ملخصاً حاشیہ مقدمة کتاب التعليم، ص: ۴۳، ۴۴)

عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ثابت نہیں کہ وہ ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں بلکہ وہ تو ضعیف، متروک اور مجہول و مبہم ہر قسم کے راویوں سے روایت کرتے، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ رہے امام سفیان ثوری تو ان کی بھی یہی پوزیشن ہے، وہ ہر قسم کے راویوں سے روایت کرتے تھے۔ (تهذيب: ۱۱۵/۴) حتی کہ امام ابوحنیفہ جسے سب سے بڑا جھوٹا قرار دیتے تھے۔ یعنی جابر جعفی، وہ اس سے بھی روایت کرتے تھے اسی بنا پر فرمایا گیا ہے: "اَلثَّوْرِيُّ لَيْسَ مِنْ مَذْهَبِهِ تَرْكُ الرِّوَايَةِ عَنِ الضُّعَفَاءِ" (تهذيب: ۵۰/۲)

امام سفیان ثوری کا موقف نہیں کہ ضعفاء سے روایت نہ لی جائے۔ امام شعبہ نے فرمایا ہے کہ امام ثوری سے وہی روایات لو جن کے راویوں کو تم جانتے ہو، وہ

جھوٹوں سے بھی روایت کرتے ہیں۔ (الکفایة، ص: ۹۱) علاوہ ازیں دو کے روایت کرنے سے زیادہ سے زیادہ جہالتِ عین رفع ہو گی، جہالتِ حال رفع نہیں ہو گی، جیسا کہ اصولِ حدیث کا کوئی ابتدائی طالب علم بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں۔ معلوم نہیں مولانا نعمانی نے اس مسلّم اصول کو کیوں نظر انداز کر دیا ہے۔ رہا ابن حبان کا عثمان بن راشد کو کتاب الثقات میں ذکر کرنا، تو اس بارے میں بھی تمام اہلِ علم آگاہ ہیں کہ امام ابن حبان مجاہیل کو ثقہ کہنے میں متساہل ہیں اور اسی بنا پر تنہا ان کی ایسی توثیق کو قبول نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "لسان المیزان" (۱/۱٤) میں فرمایا ہے۔

مولانا نعمانی کے معنوی استاد علامہ کوثری نے تأنیب الخطیب (ص: ۱۳۲) میں اور شیخ ابو غدہ نے "الرفع والتکمیل" کے حواشی (ص: ۲۰٤، ۲۰۵) میں بھی اس حقیقت کا تفصیلاً ذکر کیا ہے، بلکہ ان کی زبردست تردید کی ہے جو تنہا ان کی توثیق پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس لیے عثمان بن راشد کو امام ابن حبان رحمہ اللہ کا کتاب الثقات میں ذکر کرنا قطعاً اس کی توثیق کو مستلزم نہیں۔ افسوس کہ مولانا نعمانی محض مذہبی حمیت میں ان مسلمہ اصولوں کو بالکل نظر انداز کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عُثْمَانُ بْنُ رَاشِدٍ السُّلَمِيُّ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ عَجْرَدٍ، رَوَى عَنْهُ الثَّوْرِيُّ مُنْقَطِعٌ" (التاريخ الكبير: ٦/٢٢١)

"عثمان بن راشد سلمی، عائشہ بنت عجرد سے اور عثمان سے سفیان ثوری روایت کرتے ہیں، یہ منقطع ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ منقطع کا اطلاق کبھی موقوف پر بھی کرتے ہیں اور یہاں یہی

مراد ہے کہ عائشہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت بیان کرتی ہیں۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے عثمان بن راشد کو "کتاب الثقات" (۱۹۶/۷) میں طبقۂ اتباع التابعین میں ذکر کیا ہے جو اس بات کا مشعر ہے کہ امام ابن حبان عائشہ کو تابعین میں شمار کرتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہیں، ورنہ وہ عثمان کو تابعین میں ذکر کرتے۔ اس لیے نعمانی صاحب نے اگر امام ابن حبان کی بات تسلیم کرنی ہے تو چاہیے کہ عائشہ کو تابعین میں شمار کریں۔ "یؤمنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض" کا مصداق نہ بنیں۔ اس لیے امام ابو حنیفہ، امام سفیان ثوری کا عثمان سے روایت کرنا اس کی جہالتِ حال کو رفع نہیں کرتا اور نہ ہی امام ابن حبان رحمہ اللہ کا اسے کتاب الثقات میں ذکر کرنا عثمان کی توثیق کو مستلزم ہے۔

رہی ان کی یہ بات کہ عائشہ سے عثمان کے علاوہ امام ابو حنیفہ اور حجاج بن ارطاۃ بھی روایت کرتے ہیں۔ تو عرض ہے کہ اس سے عائشہ کی جہالت پھر بھی ختم نہیں ہوتی۔

أولاً: حجاج خود مجروح و مدلس ہے۔ اور وہ عائشہ سے معنعن روایت کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أَحَدُ الْفُقَهَاءِ صَدُوقٌ كَثِيرُ الْخَطَأِ وَالتَّدْلِيسِ" (تقریب، ص: ٦٤)

"وہ فقہاء میں سے ایک ہے صدوق کثیر الخطاء والتدلیس ہے۔"

طبقات المدلسین میں انھوں نے الحجاج کو چوتھے طبقہ میں ذکر کیا ہے اور چوتھے طبقہ میں انھوں نے ایسے مدلسین کو ذکر کیا جو باکثرت ضعفاء اور مجاہیل سے تدلیس کرتے ہیں۔ (مقدمہ طبقات المدلسین، ص: ٢٤)

اور ان کی وہی روایت قابلِ استدلال ہے جس میں وہ سماع کی صراحت کریں، بلکہ الحجاج تو ان سے بھی روایت کرتے ہیں جن سے ان کی ملاقات اور سماع

نہیں۔ جیسا کہ امام دارقطنی نے "السنن" (۳/۱۷۳، ۱۷٤، تحت رقم: ۳۳۱۹) میں ذکر کیا ہے، اس لیے جب تک وہ مروی عنہ سے سماع کی صراحت نہ کریں اس سے الحجاج کا سماع ثابت نہیں ہوگا۔

اس لیے چاہیے کہ مولانا نعمانی اور ان کے ہم نوا الحجاج کا عائشہ سے سماع ثابت کریں، محض روایت کرنا اس کے سماع کو مستلزم نہیں۔

ثانیاً: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی براہِ راست عائشہ سے سماع کے دعویٰ کی حقیقت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

نعمانی صاحب کی ایک اور بے انصافی:

اسی ضمن میں مولانا نعمانی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ الحجاج بن ارطاۃ، حدیثِ قلتین اور قراءت خلف الامام کے راوی ابن اسحاق سے حفظ و اتقان میں کم نہیں ہیں الخ۔ (حاشیہ مقدمہ، ص: ۴۵)

عرض ہے کہ اوپر ہم حافظ ابن حجر کا الحجاج کے بارے میں فیصلہ ذکر کر آئے ہیں، اب ابن اسحاق کے بارے میں ان کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

"إِمَامُ الْمَغَازِيْ صَدُوْقٌ يُدَلِّسُ" (تقريب، ص: ٦٩٠)

افسوس ہے کہ نعمانی صاحب دونوں کو حفظ و اتقان میں یکساں قرار دینے کا تکلف فرما رہے، جب کہ الحجاج تو "كَثِيْرُ الْخَطَأِ وَالتَّدْلِيْسِ" ہے مگر ابن اسحاق کی یہ پوزیشن ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم نہیں ہوتی۔ بالفرض دونوں یکساں ہوں تب بھی زیرِ بحث روایت میں الحجاج، عائشہ بنت عجرد سے معنعن روایت کرتے ہیں اور محدثین کا تقریباً اتفاق ہے کہ الحجاج کی معنعن حدیث قابلِ قبول نہیں، بلکہ وہ ان سے بھی روایت کرتے ہیں جن سے ان کا سماع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "تهذيب للمزي"

(١٤٧/٤، ١٤٨) اور "تهذيب التهذيب" (١٧٤/٢) میں ہے، اس لیے عائشہ سے اس کی معنعن روایت اس بات کی قطعاً دلیل نہیں کہ انھیں عائشہ سے تلمذ حاصل ہے۔

ایک اور غلط بیانی:

مولانا نعمانی صاحب نے اسی ضمن یہ بات بھی بڑی عجیب کہی:

"وَابْنُ حَجَرٍ أَيْضًا لَمْ يَذْكُرْ لَفْظَ مَا سَمِعَتْهُ رضي الله عنها عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لِحَاجَةٍ فِي النَّفْسِ وَقَانَا اللّٰهُ اتِّبَاعَ الْهَوَى"

(حاشیہ، مقدمہ کتاب التعلیم، ص: ٤٦)

"اور ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ لفظ ذکر نہیں کیا جو انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے، اپنی نفسی ضرورت کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہمیں خواہش پرستی سے بچائے۔"

مولانا نعمانی نے لسان المیزان سے پہلے ساری عبارت نقل کی مگر معلوم یوں ہوتا تھا کہ خود انھوں نے جوشِ مخالفت میں ہوش سے کام نہیں لیا، اب پہلے لسان المیزان کے الفاظ دیکھیں:

"إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ صَاحِبَ الرَّأْيِ، سَمِعَ عَائِشَةَ بِنْتَ عَجْرَدٍ تَقُوْلُ: [سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَكْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ الْجَرَادُ.... الحديث قَالَ أَبُوْ مُوْسىٰ رَوَاهُ غَيْرُهُ عَنِ ابْنِ أَبِي حَاتِمٍ فَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ] سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ: وَكَذٰلِكَ هُوَ فِي تَارِيْخِ ابْنِ مُعِيْنٍ رِوَايَةَ أَبِي الْعَبَّاسِ الْأَصَمِّ عَنْ عَبَّاسٍ الدُّوْرِيِّ عَنْهُ" (لسان: ٣٨٥/٢)

"بے شک ابو حنیفہ صاحب الرای نے عائشہ بنت عجرد سے سنا، فرماتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے: زمین میں اللہ تعالیٰ

کا بڑا لشکر ٹڈی دَل ہے ....الحدیث۔ حافظ ابو موسیٰ نے فرمایا ہے کہ اسے اس (یعنی ابو احمد محمد بن عبداللہ کے علاوہ) ابن ابی حاتم نے روایت کیا تو اس میں یہ ذکر نہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، میں (ابن حجر) کہتا ہوں اسی طرح وہ تاریخ ابن معین میں ہے جسے ابو العباس الأصم، عباس دوری سے روایت کرتے ہیں۔''

اب ہر انصاف پسند فیصلہ کر سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے عائشہ کے الفاظ جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنے تھے نقل کیے ہیں یا نہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ لسان المیزان کا ہندی نسخہ جو نعمانی صاحب کے پیشِ نظر ہے اس سے وہ عبارت ساقط ہے جسے اس فقیر نے ہلالین (بریکٹوں) میں واضح کر دیا ہے۔ یہ نسخہ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی تحقیق سے مختلف خطی نسخوں کے تقابل سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور انھوں نے مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ یہ ہندی نسخہ ''سقیمة جدا'' بہت ہی ناقص ہے۔

(مقدمہ لسان: ۱/۱۳)

اب اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد نعمانی صاحب کی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ساتھ ''روایتی عداوت'' کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ نعمانی صاحب اگر حافظ ابن حجر کے الفاظ: ''قُلْتُ: وَكَذَلِكَ هُوَ الخ'' پر ہی سنجیدگی سے غور فرما لیتے تو وہ انھیں ہوائے نفس کی اتباع کا طعنہ نہ دیتے، مگر جب وہ مخاصمت میں بازی لے جانے کا طے کر چکے تو سنجیدگی کہاں کی اور کیسے؟

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اسی طرح التاریخ لابن معین جو ابو العباس الاصم عن العباس الدوری کی روایت میں ہے تو اسی ابو العباس عن الدوری کی روایت سے ہی ''التاریخ'' لابن معین کا نسخہ شائع ہوا ہے اور اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ ان کے الفاظ دوبارہ پڑھ لیجیے:

"أَبُو حَنِيفَةَ صَاحِبُ الرَّأْيِ قَدْ سَمِعَ مِنْ عَائِشَةَ بِنْتِ عَجْرَدٍ فِيمَا قَالَ" (التاریخ، رقم: ۲۳٤۷)

اس میں بھی عائشہ کا رسول اللہ ﷺ سے سماع کا ذکر نہیں۔ جیسا کہ حافظ ابو موسیٰ نے اشارہ کیا ہے تو کیا اب نعمانی صاحب یا ان کے ہمنوا فرمائیں گے کہ امام ابن معین نے ہوائے نفس کی وجہ سے سماع اور حدیث کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا؟ بلکہ انھوں نے تو عائشہ کا ترجمہ ہی ذکر نہیں کیا اور ان کے صحابی ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ:

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے عائشہ کی ابن عباس سے موقوف روایت کے بارے میں فرمایا ہے: "لَا تَقُومُ بِهَا حُجَّةٌ" "اس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔" مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ یہ قول حد سے بڑھا ہوا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: خواتین میں سے کسی کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ اسے متہم قرار دیا گیا ہو یا اسے متروک قرار دیا گیا ہو۔ (حاشیہ کتاب التعلیم، ص: ٤٥)

انسان جب ایک غلط بات پر اڑ جاتا ہے تو وہ ہر جائز و ناجائز بات کہنے کی ٹھان لیتا ہے۔ یہی حال ہمارے مہربان مولانا نعمانی رحمہ اللہ کا ہے۔ افسوس ہے کہ اپنے علم و فضل کے باوصف وہ "لَا تَقُومُ بِهَا حُجَّةٌ" اور متہم اور متروک کی جرح کو ایک ہی مرتبہ قرار دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ جب کہ حدیث اور علوم الحدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی سمجھتا ہے کہ "لَا تَقُومُ بِهَا حُجَّةٌ" یا "لَا يُحْتَجُّ بِهِ" کے الفاظ کو علامہ سخاوی وغیرہ نے جرح کے پانچویں طبقے میں جب کہ متہم اور متروک کو تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔ (فتح المغیث، الرفع والتکمیل، ص: ۱۲٦، ۱۲۷، ۱۲۹)

اس لیے مولانا نعمانی نے جو کچھ فرمایا خود انھوں نے حد سے تجاوز کیا ہے اور ناخواندہ حواریوں کی آنکھوں میں مٹی ڈالنے کی جسارت کی ہے۔

علاوہ ازیں عائشہ بنت عجرد کو خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے المغنی (۱/۳۲۵) میں ذکر کیا ہے اور اس کے ضعف کا سبب یہی امام دارقطنی کا قول: "لَا تَقُوْمُ بِهَا حُجَّةٌ" قرار دیا ہے۔ عائشہ ہی نہیں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مُسّہ الازدیہ کے بارے میں بھی یہی نقل کیا ہے: "لا یُحْتَجُّ بِهَا" (میزان: ٤/٦١٠)

اسی طرح امام دارقطنی نے زینب بنت محمد السہمیۃ کو "مجهولة وَلَا تَقُوْمُ بِهَا حُجَّةٌ" (السنن: ١/١٤١، رقم: ٢٥/٤٩٧) اور عَمرة الغاضرية کو بھی "لَا تَثْبُتُ بِهَا الْحُجَّةُ" کہا ہے۔ (السنن: ١/١٢٤، رقم: ٦/٤٤٥) جس سے مولانا نعمانی رحمہ اللہ کے موقف کی کمزوری نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے، بلکہ مُسّہ پر امام دارقطنی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ کے بارے میں بھی انھوں نے جو "لَا تَقُوْمُ بِهَا حُجَّةٌ" کہا ہے، اس کا باعث اس کی جہالت ہے۔

امام دارقطنی کی اسی حوالے سے اور کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ انھوں نے راویوں کو "مجهول لا يحتج به" بلکہ "مَجْهُوْلٌ يُتْرَكُ" کہا ہے۔ اس تفصیل سے قطع نظر حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

"ثُمَّ عَلَى خَلْقٍ كَثِيْرٍ مِنَ الْمَجْهُوْلِيْنَ مِمَّنْ يَنُصُّ أَبُوْ حَاتِمٍ الرَّازِيُّ عَلَى أَنَّهُ مَجْهُوْلٌ أَوْ يَقُوْلُ غَيْرُهُ: لَا يُعْرَفُ أَوْ فِيْهِ جَهَالَةٌ أَوْ يُجْهَلُ، أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ مِنَ الْعِبَارَاتِ الَّتِيْ تَدُلُّ عَلَى عَدَمِ شُهْرَةِ الشَّيْخِ بِالصِّدْقِ، إِذِ الْمَجْهُوْلُ غَيْرُ مُحْتَجٍّ بِهِ" (میزان: ١/٣)

"پھر (ان کا ذکر ہے) جو بہت سے مجہول راوی ہیں جن کے بارے میں

ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے یا ان کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے: "لَا يُعْرَفُ" یا "فِيهِ جَهَالَةٌ" یا "يُجْهَلُ" یا اسی قسم کی عبارتیں جو شیخ کے مشہور بالصدق نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں، جب کہ مجہول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔"

لیجیے جناب! حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی فرما دیا ہے کہ مجہول "غَيْرُ مُحْتَجٍّ بِهِ" ہے تو یہ حد سے تجاوز کی بات کیا ہوئی؟

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا:

مولانا نعمانی نے اسی ضمن میں یہ بات بھی فرمائی کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی پیروی کے باوصف ان کا یہ کلام "لَا تَقُوْمُ بِهَا حُجَّةٌ" نقل نہیں کیا، صرف یہ قول نقل کیا ہے کہ عائشہ بنت عجرد کی اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں، حالانکہ یہ قول بھی غلط ہے۔ (حاشیہ کتاب التعلیم، ص: ٤٥)

بلاشبہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کا قول: "لَا تَقُوْمُ بِهَا حُجَّةٌ" امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل نہیں کیا۔ لیکن امام دارقطنی رحمہ اللہ کا دوسرا قول کہ "عائشہ کی اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں" تو نقل کیا ہے اور ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول کہ عثمان اور عائشہ دونوں مجہول ہیں بھی ذکر کیا ہے یا نہیں؟ جس کے بعد امام دارقطنی کے قول کی انھوں نے ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ دونوں اقوال کا نتیجہ ایک ہی ہے جیسا کہ اوپر زینب السهمية کے ترجمہ سے عیاں ہوتا ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ یہی ایک روایت عائشہ بنت عجرد سے مروی ہے، کیوں غلط ہے؟ مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ تیسری روایت بھی منقول ہے، جسے حافظ طلحہ بن محمد نے المسند لابی حنیفہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: المختلس (اُچکے) کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(مقدمه كتاب التعليم، ص: ٤٧)

عرض ہے کہ حدیث دانی یہی نہیں کہ کسی کتاب سے اس کو نقل کر دیا جائے، بلکہ اس کے لیے اس کا مستند ہونا بھی ضروری ہے۔

طلحہ بن محمد کی پوزیشن:

طلحہ بن محمد جنھیں نعمانی صاحب وغیرہ حافظ طلحہ فرماتے ہیں، ان کے تذکرہ میں کسی نے انھیں حافظ کے لقب سے ملقب نہیں کیا، نہ ہی تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کی توثیق و تعدیل بیان کی ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کے شاگرد محدث عبیداللہ بن احمد الازہری کا قول ہے: ''ضَعِيفٌ فِي رِوَايَتِهِ وَفِي مَذْهَبِهِ'' کہ وہ اپنی روایت اور اپنے مذہب دونوں میں ضعیف ہے۔ امام حافظ محمد بن ابی الفوارس نے فرمایا ہے:

''كَانَ طَلْحَةُ سَيِّءَ الْحَالِ فِي الْحَدِيثِ وَكَانَ يَذْهَبُ إِلَى الْاِعْتِزَالِ وَيَدْعُوا إِلَيْهِ''

''طلحہ کا حدیث میں برا حال ہے، وہ معتزلی تھا اور اعتزال کی دعوت دیتا تھا۔''

حسن بن محمد الخلال نے بھی فرمایا ہے کہ وہ معتزلی اور داعی الی الاعتزال تھا: ''يَجِبُ أَنْ لَّا يُرْوَى عَنْهُ'' واجب ہے کہ اس سے روایت نہ لی جائے۔ (تاریخ بغداد: ٣٥١/٩، السير: ٣٩٦/١٦، تاريخ الإسلام، ص: ٦٥٨، وفيات ٣٨٠ھ، ميزان: ٣٤٢/٢، لسان: ٢١٢/٣، العبر: ١٣/٣، شذرات الذهب: ٩٧/٣، المغني: ٣١٧/١، ديوان الضعفاء، ص: ١٥٥، الوافي بالوفيات: ٤٨٥/١٦ وغيره)

کسی ایک کتاب میں نہ انھیں ''حافظ'' کہا گیا، نہ ہی کسی نے اس کی توثیق و تعدیل بیان کی۔ مگر آپ حیران ہوں گے کہ شیخ الخوارزمی (المتوفی: ٦٦٥ھ) نے بلا

ثبوت یہ دعویٰ کر دیا: ”كَانَ مُقَدَّمَ الْعُدُوْلِ وَالثِّقَاتِ الْأَثْبَاتِ“ (جامع المسانيد: ۲/۴۸۷) بددیانتی کی انتہا دیکھیے کہ خطیب بغدادی کی تاریخ سے اس کے راوی، مروی عنہ، تاریخ پیدایش اور وفات تو لکھ دی مگر ان کے بارے میں جو جرح نقل ہوئی ہے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ الٹا یہ دعویٰ داغ دیا کہ وہ ”الثقات الأثبات“ میں تھے۔ فإنا لله وإنا إليه راجعون. جانب داری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اس قسم کی دیگر مثالیں ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ جس مسلکی تعصب میں انھوں نے یہ مسند مرتب کی ہے اس کے بعد ان سے انصاف کی توقع کیسے رکھی جا سکتی ہے؟!

گلِ دیگر شگفت:

طلحہ بن محمد کے بارے میں یہ طفل تسلی بھی دی گئی کہ ان کی جرح و تعدیل پر اعتماد کیا گیا ہے، چنانچہ محمد بن حسن ابو بکر النقاش کے بارے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے: ”كَانَ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيْثِ“ (میزان: ۳/۵۲۰، السير: ۱۶/۳۹۷) حالانکہ کسی سے جرح و تعدیل کے اقوال منقول ہونا اس کی توثیق کو مستلزم نہیں۔ حافظ سلیمان بن داود الشاذکونی کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: مجھے شاذکونی کے پاس لے چلو، ہم ان سے نقدِ رجال کا علم حاصل کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے:

”كَفٰى بِهَا مُصِيْبَةً أَنْ يَّكُوْنَ رَأْسًا فِيْ نَقْدِ الرِّجَالِ، وَلَا يَنْقُدُ نَفْسَهُ“ (السير: ۱۰/۶۷۹)

”یہی بڑی مصیبت ہے کہ نقدِ رجال میں وہ سردار ہو مگر خود اپنے آپ پر نظر نہ کرتا ہو۔“

حافظ محمد بن الحسین الازدی بھی جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ اس موضوع پر

انھوں نے کتاب بھی لکھی ہے، مگر خود مجروح ہیں، جیسا کہ کسی حدیث کے طالب علم سے مخفی نہیں۔ اس لیے کسی کا جرح و تعدیل میں قول منقول ہونا اس کی توثیق کو مستلزم نہیں۔ مگر اندازہ کیجیے ان کے قابلِ اعتبار بنانے کے لیے ایسے سہارے ڈھونڈے جاتے ہیں جو تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہیں۔

اسی ضمن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ طلحہ چونکہ معتزلی تھے اس لیے ان پر کلام کیا گیا ہے، حالانکہ ان کے اعتزال کے علاوہ ان کی حدیث کے بارے میں بھی کلام کی صراحت منقول ہے کہ وہ حدیث میں بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ پہلے وہ اقوال ہم نقل کر آئے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ عذرِ لنگ تو تب ہو جب انھیں ائمۂ جرح و تعدیل میں سے کسی نے ثقہ و صدوق کہا ہو، جب یہ نہیں تو داعی الی البدعہ ہونا بذاتِ خود جرح ہے۔ اسی طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ وہ "صَحِيحُ السَّمَاعِ" ہیں، توثیق کو مستلزم نہیں۔ اس میں مشایخ سے سماع کی صحت کا ذکر ہے۔ بلکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے محدث احمد بن یوسف بن خلاد (المتوفی: ۳۵۹ھ) کے ترجمہ میں کہا ہے: اس آخری دور میں جس کا سماع صحیح ہوتا اس پر ثقہ کا اطلاق کر دیتے ہیں، جب کہ ائمۂ نقد کے ہاں وہ ثقہ ہے جو فی نفسہ عادل ہو، متقن اور ضابط ہو اور اسے فن کی فہم و معرفت حاصل ہو۔ (السیر: ۱۶/۷۰) مگر شیخ طلحہ کو تو کسی نے ثقہ یا صدوق نہیں کہا، صرف یہ کہا گیا ہے کہ ان کا سماع صحیح ہے۔ اس لیے یہ جملہ بھی قطعاً توثیق کو مستلزم نہیں۔

علاوہ ازیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت بیان کرنے والے ایک درجن سے زائد راوی اس میں "المختلس" کے بارے میں عدمِ قطع ید کا ذکر نہیں کرتے۔ البتہ شیخ طلحہ نے "الحسن بن محمد بن الصباح الزعفراني عن أسباط عن أبي حنيفة" کی سند میں اس کا اضافہ کیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ امام دارقطنی

نے ابوبکر النیسابوری ثنا الحسن بن محمد عن اسباط ہی کی سند سے اس کا ذکر نہیں کیا، بلکہ وضاحت سے فرمایا ہے کہ عائشہ بنت عجرد سے اس کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں۔ جس سے شیخ طلحہ کے بیان کیے ہوئے الفاظ کی کمزوری مزید واضح ہو جاتی ہے۔

پھر کیا اگر مجہول سے ایک کے علاوہ ایک دو اور روایات بھی مروی ہوں تو اس سے اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے؟ اور وہ ثقہ اور اس کی روایت صحیح یا حسن قرار پاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے ان حقائق کے بعد مولانا نعمانی کی یہ ساری کوشش بے کار ثابت ہوتی ہے۔

بے خبری کی انتہا:

مولانا نعمانی نے اسی ضمن میں علامہ محمد حسن السنبلی کی "تنسيق النظام في مسند الإمام"، جو مسند ابی حنیفہ للحصكفي کی شرح ہے، سے نقل کیا ہے:

"عَائِشَةُ بِنْتُ عَجْرَدٍ لَمْ أَجِدْ لَهَا تَرْجَمَةً فِيْ التَّقْرِيْبِ وَلَا فِيْ الْمُغْنِيْ رَوَى لَهَا الْإِمَامُ فِيْ هَذَا "اَلْمُسْنَدِ" وَمُسْنَدِ الْخَوَارِزْمِيِّ" (مقدمه، ص: ٤٨)

"میں نے عائشہ بنت عجرد کا ترجمہ "التقريب" میں نہیں پایا اور نہ ہی "المغني" میں، اس سے امام صاحب نے اس مسند میں اور مسند الخوارزمی میں روایت کی ہے۔"

بڑے ہی تعجب کی بات ہے کہ مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے علامہ السنبلی سے یہ بات بلاتبصرہ نقل کر کے گویا اس کی تائید کی ہے۔ حالانکہ حدیث پاک کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ "التقريب" صرف اصحابِ صحاح ستہ کی تصانیف کے رجال پر مشتمل ہے، عائشہ بنت عجرد کا اس میں تذکرہ کیسے؟ جہاں تک "المغني" کی بات

ہے تو اس سے مراد اگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی المغنی ہے تو اس میں عائشہ بنت عجرد کا ذکر موجود ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔ ویسے بھی کسی راوی کا کسی کتاب میں ذکر نہ ہونا اس کا اس کی توثیق وتضعیف سے کوئی تعلق نہیں، جب کہ دوسرے مراجع میں اس کی تفصیل موجود ہو۔

اس حوالے سے یہ کہنا کہ عائشہ کے بارے میں صحابیہ نہ ہونے کا علم نفس الامر میں صحابیہ ہونے کی نفی کو مستلزم نہیں محض طفل تسلی ہے۔ کیونکہ محض دعویٰ کسی بھی حقیقت کو قبول کر لینے کے لیے کافی نہیں۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے: "ثبت العرش ثم انقش"

ترکش کا آخری تیر:

آخری بات جو مولانا نعمانی نے عائشہ کے بارے میں فرمائی وہ یہ ہے کہ امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: "جس بات پر سفیان ثوری اور ابو حنیفہ جمع ہوں اسے قبول کرو۔" (بحوالہ الإنتقاء لابن عبدالبر، ص: ۲۰۶، مقدمہ، ص: ۴۹)

اندازہ کیجیے کہ عائشہ کے بارے میں کیا کیا سہارے مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے تلاش کیے، ہم ان کی اس کوشش کی داد دیتے ہیں۔ مگر کیا اس سے عائشہ کا صحابیہ ہونا ثابت ہو گیا؟ اور کیا امام ثوری رحمہ اللہ سے ان کے واسطے سے مرفوع حدیث جس سے ان کی صحابیت ثابت ہو، بھی ثابت ہو گئی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ البتہ عثمان بن راشد سے یہ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں اور ہم باحوالہ ذکر کر آئے ہیں کہ یہی دونوں بزرگ جابر بن جعفی سے بھی روایت کرتے ہیں تو کیا اب جابر کو ثقہ وصدوق تسلیم کر لیا جائے؟ بالخصوص جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اسے سب سے بڑا جھوٹا قرار دیتے ہیں۔

عبیدۃ بن المعتب الضبی سے امام سفیان اور امام ابو حنیفہ دونوں روایت کرتے ہیں، جب کہ وہ ضعیف ومختلط ہے۔ (تقریب) محمد بن زبیر الحنظلی متروک ہے۔ (تقریب)

مگر وہ دونوں بزرگ اس سے روایت کرتے ہیں۔ اس نوعیت کی دسیوں مثالیں دی جاسکتی ہیں تو گویا بس اسی بنا پر انھیں ثقہ وصدوق تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ دونوں بزرگ ان سے روایت کرتے ہیں؟

اسی طرح امام سفیان رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نبیذ سے وضو کے قائل ہیں مگر امام ابن المبارک اس کے قائل نہیں۔ (ترمذي مع التحفة: ۹۱/۱)

اسی طرح یہ دونوں بزرگ صبح صادق سے پہلے اذان کے جواز کے قائل نہیں اور اگر کہہ دی جائے تو دوبارہ اذان کا حکم فرماتے ہیں، جب کہ امام ابن مبارک اور امام مالک اس کے جواز کے قائل ہیں۔

اسی طرح یہ دونوں حضرات نماز میں رکوع جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع الیدین کے قائل نہیں جب کہ امام ابن المبارک قائل ہیں، بلکہ انھوں نے اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر نکیر بھی کی ہے۔ (ترمذي وغيره)

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں بھی یہی پوزیشن ہے۔ علاوہ ازیں دونوں حضرات وضو میں کلی اور ناک جھاڑنے کو فرض قرار نہیں دیتے، جب کہ امام عبداللہ بن مبارک فرض کہتے ہیں۔ یہی موقف امام احمد کا ہے۔ (ترمذي مع التحفه: ۴۰/۱) اس لیے اس قسم کے سہاروں سے دل تو بہلایا جا سکتا ہے، حقیقت کو بدلا نہیں جا سکتا۔

مفتاح السعادۃ میں عجیب استدلال:

مفتاح السعادۃ شیخ احمد بن مصطفیٰ الرومی الحنفی طاش کبریٰ زادہ (المتوفی: ۹۶۸ھ) کی معروف کتاب ہے، جو تعارف الکتب والعلوم والمشایخ پر مشتمل ہے، مگر حنفی ہونے کے ناتے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ترجمہ میں ان کی باتیں بڑی عجیب وغریب سی ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:

"اِتَّفَقَتِ الرِّوَايَاتُ عَلَى أَنَّهُ ﷺ وَصَفَ الْإِمَامَ قَبْلَ وُجُوْدِهِ بِثَلَاثَةِ أَوْصَافٍ: بِسِرَاجِ الْأُمَّةِ، وَمُحْيِي الشَّرْعِ، وَالسَّابِقِ" الخ (مفتاح: ۲/۱۷۵)

روایات متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے امام صاحب کے پیدا ہونے سے پہلے تین وصف بیان فرمائے ہیں:

① امت کے سراج۔

② شریعت کو زندہ کرنے والے۔

③ اپنے زمانے میں سب سے سبقت لے جانے والے۔

یہ "متفق" روایات کیسی ہیں؟ اس کی تفصیل اہلِ علم خوب جانتے ہیں۔ اسی سے ان کے حنفیت میں غلو کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بالخصوص آخری الفاظ جنھیں خود انھوں نے ذکر کیا ہے:

"فِيْ كُلِّ قَرْنٍ مِنْ أُمَّتِيْ سَابِقُوْنَ، وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ سَابِقُ زَمَانِهِ"

اس کا پہلا حصہ تو کتبِ احادیث میں منقول ہے مگر آخری الفاظ کس کتابِ حدیث میں کس سند سے ہیں؟ فاعتبروا یا أولي الأبصار

امام صاحب کے تابعی ہونے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا کہ حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

"وَأَصْحَابُ الْمَنَاقِبِ ذَكَرُوْا بِأَسَانِيْدِهِمْ أَنَّهُ رَآهُ، وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ الْإِمْكَانَ ثَابِتٌ الخ" (ص: ۱۷، مفتاح: ۲/۱۷۷)

"اصحابِ مناقب نے اپنی اسانید سے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے انھیں دیکھا ہے اور بے شک رؤیت کا امکان تو ثابت ہے۔"

یہ مناقب لکھنے والے کون ہیں اور ان کی ''اسانید'' کیا ہیں۔ جن سے امام صاحب کی حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے رؤیت ثابت ہوتی ہے؟ جہاں تک امکان کی بات ہے تو یہ امکان اور صحابہ کرام کے بارے میں بھی بڑی دیدہ وری سے کیا گیا، جس کی تفصیل فضائل ابی حنیفہ لابن ابی العوام (ص: ۲۲۳ سے ۲۳۲) وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر یہ امکان ۸۰ھ میں پیدا ہونے والے امام صاحب کے بارے میں ہی ہے یا ابراہیم بن یزید النخعی کے بارے میں بھی ممکن ہے جو ۹۶ھ میں ۴۹ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ گویا وہ ۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کتنے صحابہ کرام کو دیکھا، کن کن سے روایت کی۔ کیا ان کے دل میں صحابہ کرام سے شرفِ ملاقات کا شوق نہ تھا؟ امام عجلی نے فرمایا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کو پایا ہے مگر روایت کسی سے بھی نہیں۔ (تهذيب للمزي: ۱/۴۵۰)

بلکہ سوال یہ بھی ہے کہ امام ابراہیم رحمہ اللہ کی وفات کے وقت امام صاحب کی عمر (۱۹) انیس سال تھی، انھوں نے کوفہ ہی میں ان سے ملاقات اور روایت کیوں نہیں کی اور انھیں نظر انداز کیوں کیا؟ امکان تو یہاں بھی ہے۔ بینوا تؤجروا

شیخ طاش کبریٰ زادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام صاحب بیس سے زائد مرتبہ بصرہ میں تشریف لے گئے اور ہر بار سال یا دو سال وہاں معتزلہ اور اہلِ ہوا سے مناظرے کے لیے ٹھہرے۔ امام ابن شیرویہ اور برہان الاسلام الغزنوی نے اسانیدِ صحیحہ سے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ان کے الفاظ ہیں:

''وَذَكَرَ الْإِمَامُ شَهْرُ دَارِ ابْنِ شَيْرُوَيْه وَبُرْهَانُ الْإِسْلَامِ الْغَزْنَوِيُّ بِأَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ أَنَّ الْإِمَامَ رَوَى عَنْ أَنَسٍ'' (مفتاح: ۲/۱۷۵)

شیخ طاش کبریٰ زادہ کا فرمانا کہ امام صاحب بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف

لے گئے اور وہاں ہر بار (في كل دخلة) سال یا دو سال وہاں مناظروں میں مصروف رہے، تاریخی لحاظ سے کہاں تک درست ہے؟ یہ بجائے خود تفصیل طلب ہے۔ مگر ان کا یہ فرمانا کہ امام صاحب سے بسندِ صحیح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایات ثابت ہیں محض دعویٰ ہے۔ اس کے بعد انھوں یہ بھی فرمایا ہے:

”رَجَعْنَا إِلَى الْمَقْصُوْدِ وَهُوَ ذِكْرُ مَنْ رَآهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ مِنَ الصَّحَابَةِ أَوْ رَوَى عَنْهُ“ (مفتاح، ص: ۱۷۷)

ہم مقصود کی طرف لوٹتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کن صحابہ کو دیکھا اور کس سے روایت کی ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ موصوف امام صاحب کی صحابہ سے رؤیت اور روایت کے قائل ہے۔ مگر مولانا لکھنوی نے ابراز الغی اور تذکرۃ الراشد میں جو فرمایا ہے کہ انھوں نے صحابہ سے امکانِ رؤیت اور اثباتِ معاصرت اور ملاقات کا ذکر کیا اور وہ اس دعویٰ میں مصیب ہیں۔ (إبراز، ص: ۷۸، تذكرة الراشد، ص: ۲٦۸، ۲٦۹ ط كراچی) قطعاً درست نہیں۔ وہ تو امام صاحب کی صحابہ سے روایت کے بھی قائل ہیں اور ان کی احادیث کو اسانیدِ صحیحہ قرار دیتے ہیں، جو لکھنوی صاحب کے موقف کے بالکل برعکس ہے۔

علامہ ابن عابدین نے ذکر کیا ہے:

”وَقَدْ أَطَالَ الْعَلَّامَةُ طَاشْ كُبْرَى فِيْ سَرْدِ النُّقُوْلِ الصَّحِيْحَةِ فِيْ إِثْبَاتِ سِمَاعِهِ مِنْهُ“ (رد المحتار: ۱/٦۵)

”اور بے شک علامہ طاش کبریٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کے سماع پر صحیح نقول تفصیل سے ذکر کی ہیں۔“

اس لیے علامہ طاش کبریٰ کی طرف سے عدمِ سماع کا تاثر محض مولانا لکھنوی

کی معاصرانہ مخاصمت کا نتیجہ ہے۔

آخر میں طاش کبریٰ زادہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کچھ اور بھی رجال (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ہیں جن کے بارے میں قوم کا شک ہے کہ امام صاحب نے ان کا زمانہ پایا ہے اور اس میں انھوں نے معقل بن یسار، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن انیس اور عائشہ بنت عجرد کا نام لیا ہے، البتہ عائشہ کے نام کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے: ”لَقِیَھَا وَ رَوَی عَنْھَا“ ان سے وہ ملے اور ان سے روایت کی ہے۔ (مفتاح: ۱۷۷/۲)

عائشہ صحابیہ ہیں؟ اور کیا ان سے کوئی روایت صحیح یا حسن ہے؟ اس کی پوزیشن قارئین کرام دیکھ آئے ہیں، لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ دعویٰ کرنے والوں نے کیا حضرت معقل بن یسار، جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن انیس کے بارے میں ملاقات بلکہ ان سے سماع کا دعویٰ نہیں کیا؟ تو کیا ان مثبتین و مدعیان کا دعوائے اثبات، انکار کرنے والوں سے مقدم نہیں کہ طاش کبریٰ زادہ اور ان کی پیروی میں بعض دیگر حضرات نے بھی کہہ دیا ہے کہ مثبت، نافی سے مقدم ہے؟ ﴿اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا موقف:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی ”تبييض الصحيفة بمناقب الإمام أبي حنيفة“ کے حوالے سے عموماً ذکر کیا جاتا ہے کہ امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبری المقری (المتوفی: ۴۷۸ھ) نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں ان روایات کا ذکر کیا ہے جنھیں امام صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، جن میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملا ہوں اور وہ ہیں:

① انس بن مالک ② عبداللہ بن جزء

③ جابر بن عبداللہ ④ معقل بن یسار

⑤ واثلة بن اسقع ⑥ عائشہ بنت عجرد

لیکن حمزہ السہمی نے امام دارقطنی کا قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، ان سے سماع نہیں کیا، ان کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں۔ اور خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ امام صاحب کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ علامہ عراقی کے فتوے میں ہے کہ کسی صحابی سے امام صاحب کی کوئی روایت نہیں، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے، کیونکہ وہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی وفات بالاتفاق ۸۰ھ کے بعد ہوئی ہے اور بصرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن سعد نے ''لا بأس به'' سند سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ بعض نے ایک جزء جمع کیا ہے جس میں امام صاحب کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہیں، لیکن اس کی اسانید ''ضعف'' سے خالی نہیں ہیں اور اعتماد بعض صحابہ سے ان کی ملاقات پر ہے، جیسا کہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے، لہٰذا وہ تابعی ہیں۔ (تبییض، ص: ۲۵، ۲۶ کراچی)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی اس عبارت پر چند ملاحظات ہیں:

① امام ابومعشر رحمہ اللہ نے جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام صاحب کی روایات کا ذکر کیا ہے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ان کے ''ضعف'' کا اظہار کیا ہے اور جو سند اس کی نقل کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو روایات نقل کی ہیں ان دونوں کا دار و مدار احمد بن الصلت الحمانی پر ہے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ ''مجروح'' ہے۔ (تبییض، ص: ۲۸) مگر افسوس ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ ''مجروح'' کیسا ہے، حالانکہ اس کے بارے میں ایک روایت کے تحت ذیل الموضوعات میں لکھتے ہیں:

"وَالْآفَةُ مِنَ أَحْمَدِ بْنِ أَبِيْ الصَّلْتِ كَذَّابٍ، قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: مَا رَأَيْتُ فِيْ الْكَذَّابِيْنَ أَقَلَّ حَيَاءً مِنْهُ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ" (ذيل الموضوعات، ص: ١١٠)

"اور آفت احمد بن ابی الصلت کذاب کی طرف سے ہے، ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے کذابین میں اس سے بڑا بے حیا کوئی نہیں دیکھا، دارقطنی نے کہا ہے: وہ حدیث گھڑتا تھا"

قارئین کرام! انصاف فرمائیں وہ "مجروح" ہے یا کذاب اور وضاع؟ ہم مزید تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، شائقین میزان (١/١٤٠)، لسان (١/٢٧٠) اور "الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث" ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ فرمائیں کہ ایسے راوی کی روایت میں "ضعف" ہوتا ہے یا وہ "موضوع" ہوتی ہے۔

② اس کے بعد حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی دو احادیث ذکر کی ہیں جن کا مدار موسیٰ بن عیسیٰ بن المنذر الحمصی پر ہے جس کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے: "لَا أُحَدِّثُ عَنْهُ شَيْئاً لَيْسَ هُوَ شَيْئاً" (لسان: ٦/١٢٧) امام نسائی نے "لَيْسَ بِثِقَةٍ" بھی کہا۔ (تاريخ اسلام للذهبي: ٣١٢، حوادث: ٢٨٧ھ) راوی پر یہ جرح دوسرے اور تیسرے مرتبے کی ہوتی ہے جس کی روایت استشہاد اور اعتبار میں قبول نہیں۔ (الرفع والتكميل، ص: ١١٨، ١١٩)

علاوہ ازیں اس کا استاد اسماعیل بن عیاش الحمصی ہے اور وہی اسے امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ اسماعیل اگر اہلِ شام سے روایت کرے تو صدوق ہے اور اگر وہ دوسرے بلاد کے شیوخ سے روایت کرے تو اختلاط کا شکار ہوتا ہے۔ (تقريب، ص: ٣٤) تو کیا ایسے راویوں کی حدیث جو اہلِ کوفہ سے مروی ہو "ضَعِيْفٌ

جِدًّا'' ہوتی ہے یا ''فِيهِ ضُعُفٌ'' ہوتی ہے؟

③ اس کے بعد انھوں نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ ''تبييض الصحيفة'' (ص: ۳۰) کے حاشیہ میں مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب نے لکھا ہے کہ سند میں سے دو واسطے ساقط ہیں۔ یہ روایت جامع المسانيد (۱/۷۸،۷۹) اور المسند لابن خسرو (۵۶۸، ۵۶۹) وغیرہ میں بھی ہے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے منکر ہے اور اس میں بہت سے راوی مجہول ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہاں مشکل یہ ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ امام صاحب کی پیدائش سے پہلے ۵۴ھ میں فوت ہو گئے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کا جو حل تلاش کیا اس کا جائزہ ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔

④ علاوہ ازیں ایک حدیث علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کی ذکر کی ہے، یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے صرف امام صاحب کی مسند میں ہے۔ ملاحظہ ہو: جامع المسانيد (۱/۸۲۔۸۳)، المسند لابن خسرو (رقم: ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷)۔ اور اس کا مدار حسن بن علی الدمشقی پر ہے جو متہم بالکذب ہے اور امام ابن عساکر نے کہا ہے: اس کی احادیث اہلِ صدق کی مانند نہیں ہیں۔ (ميزان: ۱/۵۱۰، لسان: ۲/۲۳۶، المغني: ۱/۱٦٤)

''ذيل ديوان الضعفاء'' (ص: ۲۹) میں تو علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''متهم واه''۔ علامہ ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزيه الشريعة میں متہمین وکذابین کا ذکر کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: ''اِتَّهَمَهُ ابْنُ عَسَاكِرِ'' (تنزيه، ص: ۵۰) ''اسے ابن عساکر نے جھوٹا کہا ہے۔'' حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ جروح ''ذيل الموضوعات'' (ص: ٤٨١، رقم: ۹۱۷) میں نقل کی ہیں۔ اب جس کی روایت کو خود

علامہ سیوطی رحمہ اللہ "ذیل الموضوعات" میں ذکر کریں تو کیا اس کی بیان کی گئی روایت صرف "فیہ ضعف" کہلا سکتی ہے؟

⑤ ایک حدیث علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے عائشہ بنت عجرد کی ذکر کی ہے، جس کے بارے میں پہلے ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ عائشہ صحابیہ نہیں بلکہ مجہولہ ہے۔ یہ ہے مختصر حقیقت ان روایات کی جنھیں شیخ ابو معشر نے ذکر کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے یہاں عبداللہ بن جزء جابر بن عبداللہ، معقل بن یسار رضی اللہ عنہم کی اسانید ذکر نہیں کیں اور ہم بھی یہاں ان سے صرفِ نظر کرتے ہیں، البتہ جامع المسانید وغیرہ میں مذکور ان کی سندوں پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کا قول:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حمزہ السہمی نے کہا ہے کہ میں نے امام دارقطنی رحمہ اللہ سے سنا، فرماتے تھے:

"لَمْ يَلْقَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ أَحَداً مِنَ الصَّحَابَةِ إِلَّا أَنَّهُ رَأَى أَنَساً بِعَيْنِهِ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ" (تبییض، ص: ٢٤)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کسی صحابی سے نہیں ملے، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے مگر ان سے سنا نہیں ہے۔ علامہ سیوطی کے حوالے سے امام دارقطنی رحمہ اللہ کا یہ قول امام صاحب کے سوانح نگاروں اور دیگر علمائے احناف نے بھی نقل کیا ہے، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ سے یہ کلام نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔ حمزہ بن یوسف السہمی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"سُئِلَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَأَنَا أَسْمَعُ عَنْ سِمَاعِ أَبِي حَنِيْفَةَ [عَنْ أَنَسٍ] يَصِحُّ؟ قَالَ: لَا، وَلَا رُؤْيَةً، وَلَمْ يَلْقَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ أَحَداً

مِنَ الصَّحَابَةِ" (سؤالات حمزة للدارقطني، ص: ٢٦٣، رقم: ٣٨٣)

"امام دارقطنی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اور میں سن رہا تھا کہ امام ابو حنیفہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع صحیح ہے؟ فرمایا: نہیں، اور رؤیت بھی نہیں، امام ابو حنیفہ کسی صحابی سے نہیں ملے۔"

یہی قول ان سے خطیب بغدادی نے "تاريخ بغداد" (٢٠٨/٤) میں اور حافظ ابن الجوزی نے "العلل المتناهية" (٦٥/١) میں بھی نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (٢٧١/١) میں احمد بن محمد بن الصلت کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد ابو عبدالرحمٰن السلمی کہتے ہیں:

"سَأَلْتُهُ هَلْ يَصِحُّ سِمَاعُ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ أَنَسٍ؟ فَقَالَ: لَا يَصِحُّ سِمَاعُهُ عَنْ أَنَسٍ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَلَا تَصِحُّ لَهُ رُؤْيَةُ أَنَسٍ وَلَا رُؤْيَةُ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ"

(سؤالات السلمي، ص: ٣١٧)

"میں نے ان سے سوال کیا کہ کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع ہے؟ تو انھوں نے کہا: سماع صحیح نہیں، بلکہ کسی اور صحابی سے بھی نہیں اور نہ انھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اور نہ ہی کسی اور صحابی کی رؤیت حاصل ہے۔"

اس لیے علامہ سیوطی کا امام دارقطنی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرنا کہ انھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رؤیت حاصل ہے، یہ ان کا تسامح ہے۔ سوالات حمزہ السہمی کے محقق شیخ موفق بن عبداللہ نے کہا ہے کہ علامہ سیوطی نے جو نقل کیا ہے:

"لَمْ أَقِفْ عَلَى مَصْدَرٍ نَقَلَ هَذَا عَنِ الدَّارَقُطْنِيِّ"

"مجھے امام دارقطنی سے اس نقل کا مرجع معلوم نہیں ہو سکا۔"

اس وضاحت سے وہ ساری حیلہ سازیوں بلکہ الزام تراشیوں کی قلعی کھل جاتی ہے جو شیخ کوثری نے اس حوالے سے "تانیب الخطیب" (ص: ۳۱) میں کی ہیں۔ علامہ المعلمی نے "التنکیل" (۱/ ۱۵۰، ۱۵۱) میں بھی اس پر نفیس بحث کی ہے، شائقین اس کی مراجعت فرمائیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

علامہ ابن الجوزی نے "العلل المتناهية" میں فرمایا ہے:

"اَلْحِمَّانِيُّ يَضَعُ الْحَدِيْثَ، كَذٰلِكَ قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنَ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ إِنَّمَا رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ بِعَيْنِهِ" (العلل، ص: ۱۲۸، رقم: ۱۹۶)

"احمد بن محمد الحمانی حدیث وضع کرتا تھا، جیسا کہ امام دارقطنی نے کہا ہے اور ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے نہیں سنا، صرف انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔"

یہ سارا کلام امام دارقطنی رحمہ اللہ کا نہیں، بلکہ "وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ لَمْ يَسْمَعْ" سے آخر تک کا کلام حافظ ابن جوزی کا ہے، جس کا اعتراف مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی تذکرۃ الراشد (ص: ۲۶۴، ط: کراچی فی مجموعہ رسائل) میں کیا ہے۔ علامہ ابن جوزی بلاشبہہ امام صاحب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت تسلیم کرتے ہیں۔ (المنتظم: ۸/ ۱۲۸) البتہ مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الراشد میں فرمایا ہے کہ میرے ہاں "العلل" کا جو نسخہ ہے اس میں یہ عبارت یوں ہے:

"قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنَ أَحَدٍ" الخ

مگر اولاً تو انھوں نے اس سے پہلے کا کلام "والحماني كان يضع الحديث كذلك قال الدارقطني" نقل نہیں کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں

"العلل" کا جو نسخہ تھا وہ ناقص تھا۔ اس لیے اس سے استدلال درست نہیں۔

ثانیاً: امام دارقطنی کا کلام ان کے دو شاگردوں کی اصل کتاب سے ہم نقل کر آئے ہیں، اس لیے ان کے مقابلے میں محض علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت سے استدلال میں کون سی معقولیت ہے؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رؤیت:

بلاشبہہ خطیب بغدادی، علامہ ابن جوزی، علامہ نووی، حافظ ذہبی، علامہ عراقی وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رؤیت کا شرف حاصل ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"رَأَى أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ غَيْرَ مَرَّةٍ لَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِمُ الْكُوفَةَ رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ سَيْفِ بْنِ جَابِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا حَنِيفَةَ يَقُوْلُهُ"

(تذكرة الحفاظ: ١/١٦٨)

انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا، جب وہ کوفہ تشریف لائے، اسے ابن سعد نے بواسطہ ابو الموفق سیف بن جابر قاضی واسط امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے کہ وہ یوں فرماتے تھے۔

امام صاحب کا یہ قول ابن سعد کے طبقات میں نہیں ہے، البتہ امام ابو احمد الحاکم الکبیر نے اپنی سند سے کتاب الاسامی والکنیٰ میں ذکر کیا ہے اور اس کے الفاظ ہیں:

"قَدِمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْكُوفَةَ، وَنَزَلَ النَّخعَ وَكَانَ يَخْضِبُ بِالْجَهْرِ قَدْ رَأَيْتُهُ مِرَاراً" (كتاب الأسامي: ٣/٤٧٥)

"امام صاحب نے فرمایا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے، "النخع" مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، خوش نما خضاب لگایا ہوا تھا، میں نے انھیں کئی بار دیکھا۔"

یہ ہے دراصل وہ بنیاد کہ امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ امام ابو احمد الحاکم نے یہ قول نقل کرنے سے پہلے کہا ہے:

"يُقَالُ: رَأَى أَبَا حَمْزَةَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ النَّجَّارِيَّ بِالْكُوفَةِ حِينَ نُزُولِهِ إِيَّاهَا لَكِنَّهُ سَمِعَ أَبَا مُحَمَّدٍ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ"

(كتاب الأسامي: ٤٧٣/٣)

غور فرمایئے کہ مذکورۃ الصدر قول کی بنیاد پر انھوں نے امام صاحب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رؤیت صیغۂ مجہول سے ذکر کی اور امام عطاء وغیرہ سے سماع کا ذکر بالجزم ذکر کیا ہے۔ آخر کیوں؟ ان کا یہ اسلوب دلیل ہے کہ انھیں رؤیت کے دعوے سے اتفاق نہیں۔ علاوہ ازیں ابو الموفق سیف بن جابر قاضی واسط کی توثیق ثابت نہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ہی اس کا ذکر "المقتنى في سرد الكنى" میں کیا اور لکھا ہے:

"سَيْفُ بْنُ جَابِرٍ، قَاضِي وَاسِطٍ، عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَعَنْهُ ابْنُ سَعْدٍ" (المقتنى: ١٠٦/٢)

غور فرمایا آپ نے کہ علامہ ذہبی نے سیف بن جابر کے تعارف میں بس وہی الفاظ اور وہی راوی، مروی عنہ ذکر کیے ہیں جنھیں امام ابو احمد الحاکم نے ذکر کیا ہے؟ اس لیے امام ابن سعد کے علاوہ اور کسی نے بھی سیف سے روایت نہیں کی اور نہ کسی نے اسے ثقہ یا صدوق کہا ہے، لہٰذا وہ مجہول ہے۔

یہاں یہ وسوسہ کہ وہ تو واسط کا قاضی تھا، مجہول کیسے؟ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں قاضی ہونا یا مفتی وفقیہ ہونا ایک وصف ہے، عدالت اس سے علیحدہ وصف ہے۔ اصبغ بن خلیل قرطبی بھی مفتی تھے، بلکہ پچاس سال تک فتویٰ دیتے رہے، فقیہ تھے، نیک تھے، فقہ اور ورع میں بلند مقام رکھتے تھے۔ اس کے باوجود وہ کذاب اور وضاع تھے۔ (ترتيب المدارك: ١٤٢/٣، ميزان: ٥٦٩/١، لسان: ٤٥٨/١ وغيره) حافظ محمد بن عمر الجعابی بھی

قاضی تھے، مگر فاسق اور متہم بالکذب ہیں۔ (میزان: ۳/۶۷۰، لسان: ۵/۳۲۲)

اس لیے قاضی یا مفتی ہونا علیحدہ صفت ہے، اس سے کسی کی عدالت ثابت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ ابن سعد نے "لا بأس به" سند سے رؤیت کا ذکر کیا ہے۔ (تبییض الصحیفة، ص: ۲۵) محلِ نظر ہے، بالخصوص جب کہ خود انھوں نے تقریب (ص: ۳۵۸) میں امام صاحب کو چھٹے طبقے میں ذکر کیا ہے اور اس طبقے کے راویوں کے بارے میں مقدمہ تقریب میں فرمایا ہے کہ ان کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی سے بسندِ صحیح اگر امام صاحب کو شرفِ صحبت حاصل ہو تو چشمِ ما روشن و دلِ ما شاد، اور یہ ان کے لیے بہت بڑا شرف و فضل ہے، مگر صرف اس دعوے سے تو اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا کہ فلاں فلاں نے کہا ہے، جیسا کہ علامہ الکوثری نے "تأنیب الخطیب" (ص: ۳۱) میں اپنے مزاج کے مطابق کیا ہے۔

جب امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس بارے میں صراحتاً انکار کیا ہے۔ امام حاکم معرفة علوم الحدیث کی نوع (۴۹) میں فرماتے ہیں:

"هَذَا النَّوْعُ مِنْ هَذِهِ الْعُلُوْمِ مَعْرِفَةُ الْأَئِمَّةِ الثِّقَاتِ الْمَشْهُوْرِيْنَ مِنَ التَّابِعِيْنَ وَأَتْبَاعِهِمْ مِمَّنْ يُجْمَعُ حَدِيْثُهُمْ لِلْحِفْظِ وَالْمُذَاكَرَةِ وَالتَّبَرُّكِ بِهِمْ وَبِذِكْرِهِمْ مِنَ الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ" (معرفة، ص: ۲۴۰)

"یہ نوع علوم الحدیث کی مشہور ائمۂ ثقات کی معرفت پر مشتمل ہے جس میں تابعین اور ان کے اتباع کا ذکر ہے، جن کی احادیث حفظ و مذاکرہ کے لیے جمع کی جاتی ہیں اور ان سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور ان کا

ذکر مشرق و مغرب میں ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے اہلِ مدینہ، اہلِ مکہ، اہلِ مصر، اہلِ شام اور اہلِ کوفہ وغیرہ کے محدثین وفقہاء کا ذکر کیا ہے اور اہلِ کوفہ میں امام ابوحنیفہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے کسی کو غلط فہمی ہو کہ امام حاکم نے امام صاحب کو تابعین میں ذکر کیا ہے، مگر یہ درست نہیں، اس لیے کہ اولاً تو اس میں صرف تابعین کا ذکر نہیں، بلکہ اس کے ساتھ "أتباعهم" تبع تابعین کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ادنیٰ تامل سے ان کا ذکر اس فہرست میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ثانیاً: معرفہ میں اس کے بعد نوع نمبر (۵۱) میں امام صاحب کو "اتباع التابعین" میں ذکر کیا ہے۔ (معرفة، ص: ۲۵۵) اس وضاحت سے اس میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ امام حاکم امام صاحب کو تابعین میں نہیں، بلکہ تبع تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ یہی رائے امام ابو احمد الحاکم الکبیر کی معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ ان کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنی لکھتے ہیں:

"آپ کے زمانے میں چار صحابہ کرام تھے: انس، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، سہل بن سعد اور ابو طفیل رضی اللہ عنہم، لیکن ان میں سے کسی سے ملاقات نہیں اور نہ ان سے روایت ہے، البتہ علمائے احناف کہتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملے ہیں مگر اہلِ نقل کے ہاں یہ ثابت نہیں۔"

(خاتمہ مجمع البحار: ۳/۵۴۷، ط: نول کشور)

یہی بات انھوں نے تذکرۃ الموضوعات (ص: ۱۱۱) باب الائمۃ الاربعہ میں، شیخ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب صاحبِ مشکاۃ نے اکمال فی اسماء الرجال

مع مشکاۃ (ص: ٦٢٤) میں، علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان (٥/٤٥٦) میں، علامہ نووی نے تہذیب الاسماء (٢/٢١٦) میں کہی ہے۔ البتہ خطیب بغدادی، ابن عبدالبر، ابن جوزی وغیرہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کا ذکر کرتے ہیں، اور ان سب کا مدار ابن سعد کی روایت پر ہے، جس کی حقیقت ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت:

جامع المسانید، مسند لابن خسرو، مناقب للموفق وغیرہ میں سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے امام صاحب کے سماع اور روایت کا ذکر ہے جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ علامہ سیوطی نے بھی حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ کسی صحابی سے ان کی روایت صحیح نہیں اور بعض نے جو ان روایات پر مشتمل جز لکھا ہے وہ ضعف سے خالی نہیں۔ (تبییض الصحیفة، ص: ٢٤، ٢٦) علامہ سخاوی اسی جز کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَلِلْوُحْدَانِ فِي حَدِيْثِ الْإِمَامِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ لَكِنْ بِسَنَدٍ غَيْرِ مَقْبُوْلٍ إِذِ الْمُعْتَمَدُ أَنَّهُ لَا رِوَايَةَ لَهُ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ"

(فتح المغیث: ٣/٣٤٤، ط: بنارس)

"اور "الوحدان" یعنی ایک ہی واسطہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حدیث میں، لیکن غیر مقبول سند سے جبکہ معتمد بات یہ ہے کہ انھیں کسی صحابی سے روایت حاصل نہیں۔"

یہی بات ان کے حوالے سے علامہ علی قاری نے شرح مسند الامام (ص: ٥٨١) میں اور علامہ محمد بن جعفر الکتانی نے "الرسالة المستطرفة" (ص: ٨١) میں نقل کی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی جو تین احادیث اصحاب المسانید والمناقب نے ذکر کی ہیں، ان کے بارے میں علامہ ابن عابدین نے نقل کیا ہے:

”قَالَ أَئِمَّةُ الْمُحَدِّثِيْنَ مَدَارُهَا عَلَى مَنِ اتَّهَمَهُ الْأَئِمَّةُ بِوَضْعِ الْحَدِيْثِ“ (رد المحتار: ١/٦٥)

”ائمہ محدثین نے کہا ہے: ان کا دار و مدار اس پر ہے جسے ائمہ نے وضع حدیث سے متہم کیا ہے۔“

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے مسانید ابی حنیفہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

”مسند حصکفی (جس کی شرح علامہ علی قاری نے لکھی ہے) میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں، جن کو انھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے، حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیق کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔“ (سیرۃ النعمان، ص: ۱۳۵)

مولانا عبدالحی لکھنوی بھی امام صاحب کے کسی صحابی سے سماع کے قائل نہیں، البتہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رؤیت کے مدعی ہیں۔ چنانچہ مرسل کی تعریف پر بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ مرسل وہ جسے تابعی کبیر مرفوع بیان کرے، جب کہ تابعی صغیر کی مرفوع روایت منقطع ہے، مرسل نہیں اور تابعی صغیر وہ ہے:

”مَنْ رَأَى بَعْضَ الصَّحَابَةِ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ وَلَمْ يَتَيَسَّرْ لَهُ مُجَالَسَةُ وَطُوْلُ صُحْبَتِهِ وَلَا الرِّوَايَةُ عَنْهُ، وَمِنْ هَذَا الْقِسْمِ الْإِمَامُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ“ (ظفر الأماني، ص: ٣٤٥)

”جس نے بعض صحابہ کو ایک یا دو مرتبہ دیکھا ہو اور اسے صحابی کے ساتھ بیٹھنے اور اس سے طول صحبت میسر نہ ہو اور نہ صحابی سے روایت ہو، اس قسم میں امام ابوحنیفہ ہیں۔“

مولانا لکھنوی نے اس کے علاوہ بھی ظفر الأماني (ص: ۳۵۳، ۵۴۹) مقدمہ

موطأ إمام محمد، إبراز الغي، تذكرة الراشد، إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة اور مقدمة العمدة میں امام صاحب رحمہ اللہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صرف رؤیت ہی کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان میں بھی امام صاحب کی کسی صحابی سے روایت کا انکار کیا ہے اور علامہ لکھنوی نے انہی کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

”وَجَاءَ مِنْ طُرُقٍ أَنَّهُ رَوَى عَنْ أَنَسٍ أَحَادِيثَ ثَلَاثَةَ لَكِنْ قَالَ أَئِمَّةُ الْحَدِيثِ: مَدَارُهَا عَلَى مَنِ اتَّهَمَهُ الْأَئِمَّةُ بِالْحَدِيثِ“

(مقدمة موطأ إمام محمد، ص: ٣٣)

”کئی طرق سے ذکر ہوا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تین احادیث روایت کی ہیں، لیکن ائمہ حدیث نے فرمایا ہے کہ ان کا دار و مدار اس پر ہے جسے ائمۂ حدیث نے متہم قرار دیا ہے۔“

علامہ محمد علاء الدین الحصکفی نے مشہور قول کے مطابق الدر المختار میں فرمایا ہے کہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ امام صاحب نے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ مگر علامہ ابن عابدین نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ بعض متاخر محدثین میں سے جس نے امام صاحب کے مناقب پر ضخیم کتاب لکھی ہے، کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کے اکابر تلامذہ جیسے ابو یوسف، محمد بن حسن، عبداللہ بن مبارک، عبدالرزاق وغیرہ ہیں وہ امام صاحب سے اس بارے میں کچھ بھی نقل نہیں کرتے، اگر اس (سماع) کا ثبوت ہوتا تو وہ ضرور نقل کرتے، کیوں کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں محدثین ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کا افتخار بڑھ جاتا ہے اور ہر وہ سند جس میں یہ منقول ہے کہ امام صاحب نے صحابی سے سنا ہے وہ کذاب سے خالی نہیں۔ رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رؤیت اور جماعتِ صحابہ کی معاصرت تو یہ

دونوں صحیح ہیں، ان میں کوئی شک نہیں اور جو علامہ عینی نے کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت سے سماع ثابت ہے تو ان کے شاگرد حافظ قاسم حنفی نے ان کی تردید کی ہے۔
(رد المحتار: ۶۳/۱)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ قاسم قطلوبغا اور علامہ ابن عابدین امام صاحب کی کسی صحابی سے روایت کو درست قرار نہیں دیتے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ امام صاحب رحمہ اللہ کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے رؤیت کا ذکر کرتے ہیں، لیکن کسی بھی صحابی سے ان کی روایت کو درست قرار نہیں دیتے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"وَلَمْ يَثْبُتْ لَهُ حَرْفٌ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ" (السير: ۳۹۱/۶)

"اور کسی صحابی سے انھیں ایک حرف بھی (سماع) ثابت نہیں۔"

انھوں نے تاریخ اسلام اور دیگر کتب میں بھی صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رؤیت کا ذکر کیا ہے اور روایات تابعین سے ذکر کی ہیں۔ علامہ المزی رحمہ اللہ نے بھی صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان کی رؤیت کا ذکر کیا ہے، کسی صحابی سے ان کی روایت کا ذکر نہیں کیا۔ (تهذيب الكمال: ۱۰۲/۱۹) یہی اسلوب امام ابن جوزی رحمہ اللہ کا ہے۔ (المنتظم: ۱۲۹/۸) علامہ ابن العماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض نے ان صحابہ کے اسماء کو اشعار میں ذکر کیا ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے ان سے سنا ہے:

"وَلَكِنْ لَمْ تَثْبُتْ لَهُ رِوَايَةٌ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَإِنَّمَا رَوَى عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ" (شذرات الذهب: ۲۲۷/۱)

"لیکن ان کی کسی صحابی سے روایت ثابت نہیں، البتہ عطاء بن ابی رباح سے روایت کی ہے۔"

علامہ ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی لکھتے ہیں:

”قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِ التَّوَارِيخِ: وَلَمْ يَلْقَ أَحداً مِنهُمْ وَلا أَخذَ عَنْهُمْ، وَأَصْحَابُهُ يَقُولُونَ لَقِيَ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ وَ رَوَى عَنْهُمْ قَالَ: وَلَمْ يَثْبُتْ ذَلِكَ عِنْدَ النُّقَّادِ“ الخ (مرآة الجنان: ۳۱۰/۱)

”بعض اصحابِ تاریخ نے کہا ہے کہ امام صاحب ان میں سے کسی صحابی سے نہیں ملے اور نہ ان سے روایت کی ہے، مگر ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ صحابہ کی جماعت سے ان کی ملاقات ہے اور ان سے روایت کی ہے، لیکن اہلِ نقاد کے ہاں یہ ثابت نہیں۔“

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام دارقطنی، امام حاکم، امام ابو احمد الحاکم الکبیر، امام ابو عبداللہ الخطیب، علامہ ابن خلکان، حافظ ابن حجر (ایک قول میں)، علامہ طاہر فتنی رحمہ اللہ امام ابو حنیفہ کی کسی صحابی سے رؤیت کو تسلیم نہیں کرتے، وہ گویا انھیں تابعی نہیں، بلکہ تبع تابعین میں شمار کرتے ہیں۔

جب کہ خطیب بغدادی، حافظ ابن عبد البر، حافظ ابن الجوزی، علامہ العراقی، حافظ ابن حجر (ایک قول میں) علامہ سیوطی وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شرفِ رؤیت حاصل ہے، گویا وہ باعتبارِ رؤیت تابعی ہیں۔ لیکن خطیب بغدادی، علامہ نووی، حافظ ذہبی، علامہ عراقی، حافظ ابن حجر، علامہ سخاوی، علامہ الیافعی، حافظ قاسم قطلو بغا، علامہ ابن عابدین، علامہ ابن العماد، علامہ ابن حجر مکی، علامہ لکھنوی، علامہ شبلی رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ امام صاحب کا کسی صحابی سے سماعِ حدیث ثابت نہیں اور جن حضرات نے رؤیت کا ہی انکار کیا ہے، ظاہر ہے ان کے نزدیک بھی روایت ثابت نہیں۔ اور دعویٰ سماع کا جائزہ ہم مختصر طور پر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔

بغیر صحیح ثبوت کے محض دعویٰ سے کسی بھی بات کا ثابت کرنا محض خوش فہمی پر مبنی ہے۔

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کا فرمان:

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ اسی اختلاف کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”وَهٰذَا الذَّهَبِيُّ شَيْخُ الْإِسْلَامِ الْمُعْتَمَدُ فِيْ نَقْلِهِ عِنْدَ الْأَنَامِ لَوْ صَرَّحَ وَحْدَهُ بِكَوْنِهِ تَابِعِيًّا لَكَفَى قَوْلُهُ رَادًّا لِقَوْلِ النَّافِيْنَ، فَكَيْفَ وَقَدْ وَافَقَهُ إِمَامُ الْحُفَّاظِ ابْنُ حَجَرٍ، وَرَأْسُ الثِّقَاتِ الْوَلِيُّ الْعِرَاقِيُّ، وَخَاتِمَةُ الْحُفَّاظِ السُّيُوْطِيُّ وَعُمُوْدُ الْمُؤَرِّخِيْنَ الْيَافِعِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَسَبَقَهُ إِلَى ذٰلِكَ الْخَطِيْبُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْخَطِيْبُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا الدَّارَقُطْنِيُّ إِمَامَانِ جَلِيْلَانِ مُسْتَنَدَانِ مُعْتَمَدَانِ وَغَيْرُهُمَا فَإِذَنْ لَمْ يَبْقَ لِلْمُنْكِرِ إِلَّا أَنْ يُكَذِّبَ هٰؤُلَاءِ الثِّقَاتِ“ الخ (إقامة الحجة، ص: ٢٩، ط: بشاور)

”اور یہ شیخ الاسلام ذہبی رحمہ اللہ جو لوگوں کے ہاں نقل میں معتمد ہیں، وہ اگر اکیلے ہی تصریح کر دیں کہ وہ تابعی ہیں تو تنہا انہی کا قول نفی کرنے والوں کی تردید میں کافی ہے، کیوں نہیں، جب کہ ان کی موافقت امام الحفاظ ابن حجر رحمہ اللہ اور ثقات کے سردار ولی الدین العراقی رحمہ اللہ اور خاتمۃ الحفاظ سیوطی رحمہ اللہ اور مورخین کے ستون الیافعی وغیرہ نے بھی کی ہے اور ان سے پہلے خطیب رحمہ اللہ ہیں، اور تمھیں کیا معلوم کہ خطیب کون ہیں، اور دار قطنی رحمہ اللہ ہیں اور تمھیں کیا معلوم دار قطنی کون ہیں، دونوں جلیل القدر امام اور دونوں معتمد و مستند ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے بھی، لہٰذا منکر کے لیے اس کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں کہ وہ ان تمام ثقات کی تکذیب کرے۔“

ہم یہاں اس کے علاوہ اور کچھ عرض نہیں کرتے کہ یہی سب حضرات اس کا انکار کرتے ہیں کہ امام صاحب کی کسی صحابی سے کوئی روایت ثابت نہیں۔ تو کیا اب وہ حضرات جو ان سے ثبوتِ سماع کی سعیِ لاحاصل کرنے میں سرگرداں ہیں، وہ ان سب حضرات کی تکذیب نہیں کرتے؟

علاوہ ازیں حافظ ذہبی، خطیب بغدادی، حافظ ابن حجر، امام دارقطنی کے بارے میں جس تعارف کا ذکر علامہ لکھنوی نے کیا ہے کیا یہ ان حضرات کا امام صاحب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رؤیت کے اقرار کے تناظر ہی میں ہے یا اس کے علاوہ ان کی آراء کو بھی یہ شامل ہے۔ حنفی اکابرین نے ان کے بارے میں جولن ترانیاں کی ہیں وہ بجائے خود مستقل موضوع ہے، مگر یہاں اس کی گنجائش نہیں، نہ ہی یہ محلِ بحث ہے۔

رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی سے امام صاحب کی رؤیت تو اس بارے میں بلاشبہہ خطیب بغدادی، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رؤیت ثابت ہے، مگر جس بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے وہ ثابت نہیں، اس کی سند میں ''سیف بن جابر'' مجہول ہے جس کی توثیق یا تحسین ثابت نہیں، بلکہ ابن سعد رحمہ اللہ کے علاوہ اور کوئی اس سے روایت کرنے والا بھی نہیں۔ اس لیے جب رؤیت کی روایت صحیح ثابت نہیں تو یہ دعویٰ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ پاتا۔ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ کا موقف ہی راجح قرار پاتا ہے۔

علاوہ ازیں کسی صحابی سے رؤیت خود ان کے قول کے بھی منافی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ خود انھوں نے فرمایا ہے:

''مَا رَأَيْتُ فِيمَنْ لَقِيتُ أَفْضَلَ مِنْ عَطَاءٍ'' (الموسوعة الحديثية: ٣١٩/١٧، العلل الصغير للترمذي: ٢٣٣/٦، تحقيق دكتور بشارو ٣٦٩/١ مع شرح ابن رجب وغيره)

”جن سے میری ملاقات ہوئی ہے ان میں عطاء بن ابی رباح سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔“

اب سیدھی سی بات ہے کہ اگر یہ قول صحیح ہے تو عطاء تابعی نہیں، بلکہ سب سے افضل تو صحابی ہیں۔ امام صاحب کو ان کا نام لینا چاہیے تھا، مگر ان میں سے کسی کا نام انھوں نے نہیں لیا۔ آخر کیوں؟ غالباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ابو احمد الحاکم الکبیر نے کتاب الاسامی والکنیٰ (٣/٤٧٥) میں امام صاحب کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رؤیت کا قول نقل کرنے کے متصل بعد امام صاحب سے یہی امام عطاء کی افضلیت کا قول ذکر کیا ہے۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے بھی ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی اسانید ذکر کرتے ہوئے امام صاحب رحمہ اللہ کی سند امام عطاء رحمہ اللہ سے ہی یوں ذکر کی ہے:

”اَلْإِمَامُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ جِبْرِيْلَ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ“ (المیزان الکبریٰ: ١/٥١)

اگر ان کی روایت کسی صحابی سے ثابت ہوتی تو یقیناً وہ اسے ذکر کرتے، کیوں کہ اس سے ان کی عظیم منقبت ظاہر ہوتی ہے، بلکہ علامہ الشعرانی رحمہ اللہ نے ہی فرمایا ہے:

”كَانَ فِيْ زَمَنِهِ أَرْبَعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ: أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ أَوْفٰى وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَأَبُو الطُّفَيْلِ وَهُوَ آخِرُهُمْ مَوْتاً وَلَمْ يَأْخُذْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ“ (الطبقات الکبریٰ: ٧٨)

امام صاحب رحمہ اللہ کے زمانے میں چار صحابہ کرام تھے: انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، سہل بن سعد، ابوطفیل، اور وہ سب سے آخر میں فوت ہوئے، مگر انھوں نے ان میں سے کسی سے روایت نہیں لی۔

اس لیے امام صاحب کی کسی صحابی سے روایت اور رؤیت کسی صحیح سند سے

ثابت نہیں۔ اور بعض صحابہ کرام کو ان کے مشائخ میں ذکر کرنا اور یوں امام صاحب کے مشائخ کی فہرست بڑھانا، امام صاحب کی عقیدت میں غلو کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح الموسوعۃ الحدیثیۃ میں احادیث کی فہرست بڑھانے کی جو کوشش کی گئی ہے، اس کی حقیقت بھی ہم پہلے اجاگر کر آئے ہیں۔

امام صاحب کے تلامذہ:

اسی طرح امام صاحب کے تلامذہ کی فہرست میں بھی گھپلا ہے۔ حیرت ہے کہ شیخ قاسمی صاحب نے "الفصل الحادي عشر" میں امام صاحب کے ان تلامذہ کی فہرست دی ہے جن کی امام صاحب رحمہ اللہ سے مرویات اس "الموسوعة" میں منقول ہیں۔ اور ان (۱/۱۸۵، رقم: ٤٤٨) میں امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کو اور (۱/۱۹۷، رقم: ٦١٧) امام یحییٰ بن معین کو بھی امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کرنے کی جسارت کی گئی ہے، حالانکہ امام ابو حنیفہ بالاتفاق ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے ہیں، جب کہ خود قاسمی صاحب نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی ۱۵۰ھ میں اور امام یحییٰ بن معین ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ (الموسوعة: ١٨/٦٧، ٣٦٧، والتهذيب: ١١/٢٨٧ وغيره) اب بتایا جائے کہ جو حضرات امام صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہوں انھیں ان کے تلامذہ میں شمار کرنا علم وفن کی کون سی خدمت ہے؟

شیخ قاسمی کی اس سلسلے میں یہ خدمت بھی ہے کہ کُنیٰ اور اسماء کو علیحدہ علیحدہ نمبر دے کر بھی فہرست میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً: حماد بن ابی حنیفہ ہیں تو کنیٰ میں مکرر ابو اسماعیل حماد بن ابی حنیفہ بھی مذکور ہیں۔ سلام بن سلیم ہیں تو ابو الاحوص سلام بن سلیم بھی ہیں، البتہ الکنیٰ میں "سلم" کی جگہ "سلیم" ہے۔ یہ بات بجائے خود غور طلب ہے کہ یہ "سلّام بن سليم أو سلم أبو سليمان" ہے یا "سلام بن

سليم أبو الاحوص" ہے۔ پہلا متروک اور دوسرا ثقہ ومتقن ہے۔ علامہ قاسمی نے تراجم الاسماء (۵۰/۱۷) میں اسے سلام ابوسلیمان بتلایا ہے۔نوح بن ابی مریم بھی ہے اور ابوعصمہ نوح بن ابی مریم بھی ہے۔ الحکم بن عبداللہ بھی ہے اور ابومطیع الحکم بن عبداللہ البلخی بھی ہے، محمد بن الزبرقان الاہوازی بھی ہے اور ابو ہمام الاہوازی بھی۔ وقس علی ذلك، اندازہ فرمایئے تلامذہ کی فہرست میں بھی کیسی ''حکمتِ عملی'' کا مظاہرہ فرمایا گیا ہے!!

اصح الاسانید اور امام صاحب:

محدثین کرام کا سلسلۂ حدیث میں اختلاف ہے کہ اصح الاسانید کون سی ہیں۔ اس ضمن میں شیخ قاسمی صاحب نے اپنے شیخ العلامہ المحدث الناقد عبدالرشید النعمانی کی کتاب "مکانة الإمام أبي حنیفة في الحدیث" [1] سے نقل کیا ہے کہ "أبو حنیفة عن نافع عن ابن عمر" اصح الاسانید کی شرط پر ہے۔ اس پسِ منظر میں پہلے تو یہ فرمایا گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر ہے تو امام ابومنصور عبدالقادر بن طاہر تمیمی نے فرمایا کہ "أجل الأسانید" الشافعی عن مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ اس پر علامہ مغلطائی نے اعتراض کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی تو امام مالک سے روایت کرتے ہیں۔ (الموسوعة: ۱/۱۱۴)

علامہ مغلطائی کا مکمل کلام نقل نہ کرنا دراصل مولانا نعمانی کی تفریعات کا باعث بنا ہے، انھوں نے دراصل دو باتیں فرمائی ہیں، چنانچہ رقم طراز ہیں:

"إِنْ نَظَرْنَا إِلَى كَلَامِ الْمُحَدِّثِيْنَ فَالْقَعْنَبِيُّ وَابْنُ وَهْبٍ أَوْثَقُ رُوَاةِ مَالِكٍ بِالنِّسْبَةِ إِلَى تَلَامِذَتِهِ لَا إِلَى أَشْيَاخِهِ، وَإِنْ نَظَرْنَا

[1] یہ کتاب تبییض الصحیفة کی ابتدا میں بطور مقدمہ بھی مطبوع ہے۔

إِلَى الْجَلَالَةِ فَمُسَلَّمٌ لَهُ قَوْلُهُ، لَكِنْ يَخْدِشُ فِي هَذَا أَيْضًا رِوَايَةُ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ مَالِكٍ فِيمَا ذَكَرَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ"

(إصلاح كتاب ابن الصلاح: ٥٢/٢)

"اگر ہم محدثین کے کلام کی طرف دیکھیں تو امام مالک رحمہ اللہ کے شیوخ نہیں تلامذہ کی نسبت سے سب سے ثقہ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی اور عبداللہ بن وہب رحمہما اللہ ہیں، اور اگر ہم جلالتِ قدر کی طرف دیکھیں تو ان کا قول مسلم ہے، لیکن اسے بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایت مجروح کر دیتی ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔"

غور فرمائیے! علامہ مغلطائی نے دو باتیں فرمائی ہیں: ① امام مالک رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سب سے ثقہ تو امام قعنبی رحمہ اللہ اور ابن وہب رحمہ اللہ ہے، ② جلالتِ قدر کے اعتبار سے امام شافعی رحمہ اللہ کا نام امام مالک رحمہ اللہ کے تلامذہ میں مقدم ہونا مسلّم ہے۔ البتہ جلالتِ قدر کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو بھی امام مالک سے تلمذ حاصل ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

نتیجہ واضح ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے تلامذہ میں محدثین کے نزدیک سب سے اوثق امام قعنبی اور ابن وہب رحمہما اللہ ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ نہیں۔ البتہ جلالتِ قدر میں امام شافعی رحمہ اللہ مقدم ہیں۔ مولانا نعمانی فرماتے ہیں کہ علامہ البلقینی نے اس کا جواب دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایت مشہور نہیں ہوئی، جیسے امام شافعی رحمہ اللہ کی معروف ہے۔ علامہ عراقی رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایت "نافع عن ابن عمرؓ" سے ہے ہی نہیں، جبکہ مسئلہ "مالک عن نافع عن ابن عمرؓ" کی سند سے متعلق ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی امام مالک سے روایت ہی ثابت نہیں، اس کی سند میں کلام ہے۔

ان محدثین کے کلام سے انھوں نے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ان ائمۂ حفاظ نے علامہ مغلطائی رحمہ اللہ پر اس اعتبار سے تو نقد کیا ہے کہ انھوں نے ''امام ابو حنیفہ عن مالک عن نافع'' کی سند کو اصح الاسانید میں شمار کیا ہے، مگر وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو نہ سوئے حفظ سے متہم کرتے ہیں، نہ ان کی روایت کو ضعیف کہتے ہیں اور نہ حدیث میں ان کی جلالت اور روایت میں ان کے اتقان کا انکار کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حفاظ کا امام صاحب کی جلالتِ قدر اور حدیث میں اتقان پر اتفاق ہے اور وہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے قرین ہیں۔ (مقدمه الموسوعة: ١/١١٦)

تقاضائے اختصار کی بنا پر ہم نے ان کے کلام کا خلاصہ قارئینِ کرام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور جن حیلوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے یہ محض ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کے مترادف ہے۔ کیا اسی اسلوب میں یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ علامہ مغلطائی اور دیگر حفاظ فی الواقع محدثین کے کلام کے تناظر میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو امام قعنبی رحمہ اللہ اور ابن وہب رحمہ اللہ سے کم تر سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ ان دونوں کو ہی ''أوثق رواة مالك'' قرار دیتے ہیں۔ اور جلالتِ قدر کے اعتبار سے امام شافعی کو امام مالک کے تلمذ میں تقدم حاصل ہے اور اس حقیقت کا اعتراف علامہ مغلطائی اور سب حفاظ نے کیا ہے، البتہ اس ضمن میں علامہ مغلطائی نے جو ''امام أبو حنيفة عن مالك'' کی روایت ذکر کی ہے اس پر ائمۂ حفاظ کا نقد ہے کہ ان کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایت مشہور نہیں، بلکہ وہ صحیح سند سے ثابت ہی نہیں اور نہ اس کا تعلق ''مالك عن نافع عن ابن عمر'' کی سند سے ہے۔ ان کا یہ نقد اس سلسلے کے ثبوت سے ہے۔ امام صاحب کی توثیق و تعدیل سے نہیں۔ ورنہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ امام صاحب کا مرتبہ محدثین کے ہاں امام قعنبی اور ابن وہب سے کم

تر ہے، چہ جائیکہ انھیں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قرین قرار دیا جائے۔

مولانا نعمانی اور ان سے قبل علامہ الکوثری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا امام مالک رحمہ اللہ سے باقاعدہ تلمذ نہیں ہے۔ (ابن ماجہ اورعلمِ حدیث، ص: ۱۶۱، ۱۶۲، اقوم المسالک) لہٰذا جب حافظ ابن حجر وغیرہ (بلکہ خود مولانا نعمانی صاحب) کے نزدیک امام صاحب کی کوئی روایت امام مالک رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں تو اصح الاسانید میں امام صاحب کا نام کہاں سے در آیا؟ اور ان کی توثیق و تعدیل کیسے ثابت ہوگئی؟

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ابن وہب رحمہ اللہ اور قعنبی رحمہ اللہ امام صاحب رحمہ اللہ کے تمام تلامذہ میں ''اوثق واتقن'' ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی بھی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ کسی کو اس میں شک نہیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی، ابن وہب اور قعنبی سے حدیث کا علم زیادہ جانتے تھے اور معلوم نہیں کہ انھوں نے محدثین سے یہ کہاں لکھا ہوا پایا ہے کہ ابن وہب اور قعنبی اصحابِ مالک میں سب سے زیادہ اثبت تھے۔ البتہ بعض نے کہا ہے کہ قعنبی رحمہ اللہ کی موطا کی روایت سب سے اثبت ہے، جیسا کہ امام علی بن مدینی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے، مگر ان کا یہ قول ان کے زمانے کے لحاظ سے ہے، کیوں کہ قعنبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۱ھ)، امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴ھ) سے دس سے زیادہ سال بعد فوت ہوئے ہیں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ امام قعنبی رحمہ اللہ کا تقدم اس بنا پر ہے کہ انھوں نے موطا کا سماع امام مالک رحمہ اللہ کے الفاظ سے کیا ہے، اس بنا پر کہ کہا گیا ہے کہ شیخ کے الفاظ سننا، ان پر قراءت سے زیادہ پختہ ہے۔ رہے ابن وہب تو وہ تحملِ روایت میں اچھے نہ تھے، اس لیے وہ کیسے کہتے ہیں کہ ابن وہب اصحابِ مالک میں اوثق واتقن تھے۔ بلکہ ان کا امام ابو منصور رحمہ اللہ پر اعتراض بالکل درست نہیں، کیوں کہ انھوں نے اپنے کلام کی تعبیر

''اجلّ'' (جلالتِ قدر) سے کی ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ ان سے جلالتِ شان میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس میں وہ اختلاف کرے گا جو جاہل ہے یا غفلت شعار ہے۔ (النكت: ١/٢٦٤، ٢٦٥) یہی تفصیل علامہ سیوطی نے تدريب الراوي (١/٨٠، ٨١) میں نقل کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اعتراض پر اگرچہ کلام کی گنجائش ہے، لیکن ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ انھوں نے یہ تفصیل و وضاحت اصح الاسانید کے سلسلہ میں ''ابن وہب وقعنبی عن مالک'' اور ''الشافعی عن مالک'' کے تناظر میں کی ہے۔ امام صاحب کی روایت جب ان کے نزدیک امام مالک سے ثابت ہی نہیں تو اس سے انھوں نے تعرض ہی نہیں کیا، بلکہ صاف صاف فرما دیا کہ یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایت درست نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ کی اس پر مزید خاموشی سے جو نتیجہ مولانا نعمانی نے اخذ کیا ہے وہ اس سے بھی تار تار ہو جاتا ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث: ''مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ'' پر فرمایا ہے: ''ضَعِيفٌ عِنْدَ الْحُفَّاظِ'' کہ محدثین کے نزدیک یہ ضعیف ہے۔ (فتح الباري: ٢/٢٤٢، التلخيص: ١/٢٣٢) اور یہ روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے بھی منقول ہے۔ حتی کہ علامہ ابن عبدالبر نے بھی فرمایا ہے: ''وهو سيء الحفظ عند أهل الحديث'' اور وہ محدثین کے نزدیک سیء الحفظ ہیں۔ (التمهيد: ١١/٤٨) اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس بحث میں خاموشی سے نعمانی صاحب کا استدلال مطلب پرستی میں غلو کی انتہا ہے۔

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ حنفی ہوں یا علمِ حدیث کا گہرا شغف رکھنے والے دیگر محدثین حنفیہ ہوں، ان میں سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ ''أبو حنيفة عن نافع عن

ابن عمر" کی سند کو یا امام صاحب کے واسطے سے کسی اور سند کو اصح الاسانید قرار دیں، لیکن "الموسوعة الحديثية" میں یہ دعویٰ بھی کر دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے:

"وَلَوْ قَالَ الْإِمَامُ مُغْلَطَائِيٌّ إِنَّ مِنْ أَصَحِّ الْأَسَانِيْدِ أَبَا حَنِيْفَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَكَانَ لَهُ وَجْهٌ، وَلَا رَيْبَ أَنَّ مِنْ أَصَحِّ الْأَسَانِيْدِ أَبَا حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَهَذَا الْإِسْنَادُ ذَكَرَهُ الْإِمَامُ عَبْدُ الْوَهَّابِ الشَّعْرَانِيُّ فِيْ مِيْزَانِهِ الْكُبْرَى، كَمَا ذَكَرَ إِسْنَادَ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما"

(مقدمة الموسوعة: ١/١١٦)

"اور اگر امام مغلطائی رحمہ اللہ فرماتے کہ اصح الاسانید "أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمر" ہے تو اس کے لیے توجیہ تھی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اصح الاسانید میں "أبو حنيفة عن عطاء بن أبي رباح عن ابن عباس" بھی ہے۔ یہ سند امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے المیزان الکبریٰ میں ذکر کی ہے، جیسے انھوں نے "مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما" کی سند ذکر کی ہے۔"

غلو کی انتہا:

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ نے تو یہ جسارت نہیں کی اور نہ ہی ان کے علاوہ دیگر محدثینِ کرام نے، بلکہ محدثینِ حنفیہ میں سے بھی کسی نے یہ جرأت نہیں کی جو ہم نوآموز حنفی "محدث محقق" سے پڑھ رہے ہیں۔ تدوینِ حدیث کے دور سے لے کر ماضی قریب کے زمانے میں یہ دلیری نہیں دکھلائی گئی۔ اب کچھ عرصے سے اس محرومی نے شدت اختیار کی ہے تو کبھی فرمایا جاتا ہے کہ حدیث کی اول صحیح ترین کتاب الآثار ہے، امام

مالک رحمہ اللہ کے موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح بخاری کو صحیح مسلم سے حاصل ہے۔ اور یہ بھی فرمایا جاتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کتاب الآثار کے خوشہ چیں ہیں۔ اور اب یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اصح الاسانید "أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمر" کی سند ہے، اسی طرح "أبو حنيفة عن عطاء بن أبي رباح عن ابن عباس" بھی لاریب اصح الاسانید ہے، حالانکہ یہ سب دعوے اس صدی کی ''بدعات'' ہیں۔

تعجب ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ "أبو حنيفة عن نافع عن ابن عمر" کو اصح الاسانید کہا جائے تو یہ مناسب ہے، آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ہی دریافت فرما لیں کہ وہ ان سے روایت لینے کے روادار ہیں اور اس ''اصح الاسانید'' سند سے انھوں نے کتنی احادیث روایت کی ہیں؟

چنانچہ خود انھوں نے فرمایا ہے کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تا کہ نافع مولیٰ ابن عمر سے احادیث لکھوں:

"فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ فَتَرَكْتُهُ، وَقُلْتُ: كَيْفَ أَكْتُبُ عَنْ رَّجُلٍ لَا يُحْسِنُ يَقُوْلُ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ"

(فضائل أبي حنيفة لابن أبي العوام، ص: ١٢٧، رقم: ٢١١)

''تو میں نے ان سے سنا، کہتے ہیں: "کان ابن عمر" تو میں نے انھیں چھوڑ دیا اور میں نے کہا کہ اس شخص سے کیسے حدیث لکھوں جو "قال ابن عمر" اچھی طرح نہیں کہہ سکتا۔''

اس حقیقت کا اعتراف شیخ قاسمی نے حاشیہ میں کیا ہے اور علامہ کوثری رحمہ اللہ نے تو اہلِ کوفہ کی برتری کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ اہلِ مدینہ میں لحن پایا جاتا ہے۔ (تقدمة نصب الراية، ص: ٣٦) لہٰذا جب خود امام صاحب نے نافع رحمہ اللہ سے روایات ترک کر دیں اور ان کے لکھنے سے دست کش ہو گئے تو یہ ان کی ''اصح الاسانید'' میں

کیسے قرار پائی؟ اس ہوشیاری پر ''مدعی سست گواہ چست'' کی مثال صادق آتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ امام نافع رحمہ اللہ فی الجملہ امام صاحب رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔ کتاب الآثار لمحمد بن حسن شیبانی میں تین روایات حضرت نافع رحمہ اللہ سے ہیں:

① رقم: ٣٦٨، باب ما يقتل المحرم من الدواب.

② رقم: ٣٨٠، باب الأشربة والأنبذة.

اور یہ دونوں موقوف ہیں، مرفوع نہیں۔ البتہ ایک اور روایت امام محمد رحمہ اللہ نے امام مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے اور وہ بھی موقوف ہے۔ (رقم: ٩٨، باب من صلى الفريضة) یہی روایت اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الحجۃ (١/٢١٣) اور موطا میں بھی ہے، لیکن جامع المسانید (١/٤٤٠) میں شیخ الخوارزمی نے اسے کتاب الآثار کے حوالے سے "أبو حنيفة عن مالك" نقل کیا ہے، جب کہ مولانا ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"لَمْ يُخْرِجْ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ الْمَسَانِيْدِ عَلَى مَا عَلِمْتُ عَنِ الْإِمَامِ مَالِكٍ" (شرح كتاب الآثار: ١/٢٢٤)

''کہ میرے علم کے مطابق مسانیدِ امام جمع کرنے والوں میں سے کسی نے اسے امام صاحب سے بواسطہ امام مالک رحمہ اللہ نقل نہیں کیا۔''

مگر ان کا یہ فرمان من وجہ درست نہیں۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی امام نافع رحمہ اللہ سے اور روایات بھی اصحابِ مسانید نے ذکر کی ہیں۔ ہمیں اس تفصیل میں نہیں جانا کہ ان کی استنادی پوزیشن کیا ہے؟ ہمارا سوال تو یہ ہے جب امام صاحب رحمہ اللہ نے امام نافع رحمہ اللہ کی احادیث ترک کر دی

تھیں تو یہ روایات کہاں سے در آئی ہیں؟ بینوا تؤجروا

③ تیسری روایت "باب من تزوج المتعة" (رقم: ٤٣٢) میں ہے اور وہ مرفوع ہے۔ رہی امام عطاء بن ابی رباح کی روایات، جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ عطاء سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ان سے روایات کا عالم یہ ہے کہ کتاب الآثار لمحمد الشیبانی میں امام عطاء کے صرف تین آثار: ۳۴۷، ۳۷۷، ۳۲۷ اور دو مرفوع روایات ہیں: ۳۷۸، ۹۰۷۔

اصحاب المسانید نے ان کے علاوہ بھی روایات ذکر کی ہیں، مگر ان کی استنادی نوعیت کیا ہے، یہ بجائے خود ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس تفصیل سے قطع نظر محلِ غور یہ بات ہے کہ امام عطاء بن ابی رباح اپنی تمام تر فضیلتوں کے باوصف کیا وہ "اصح الاسانید" قرار دی جانے والی اسانید میں سے کسی سند کے راوی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ حتی کہ اہلِ مکہ کی جو سند اصح الاسانید قرار دی گئی ہے اس میں بھی ان کا نام نہیں، بلکہ وہ ہے: "سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار عن جابر" (معرفة علوم الحديث، ص: ٥٥، النكت لابن حجر: ١/٢٥٨، تدريب الراوي، ص: ٣٧ وغيره)

اس لیے "أبو حنيفة عن عطاء عن ابن عباس" کی سند کو اصح الاسانید میں شمار کرنا رجماً بالغیب ہے۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے اگر یہ سند ذکر کی ہے تو اس کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کی کسی صحابی سے روایت ثابت نہیں۔

علاوہ ازیں امام عطاء کا اعتماد امام ابن جریج پر تھا۔ چنانچہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے سوال کیا کریں تو انھوں نے فرمایا: ابن جریج سے، امام ابن المدینی فرماتے ہیں: زمین پر عطاء سے علم پانے والوں میں ابن جریج جیسا کوئی نہیں۔ لہٰذا عطاء سے روایت میں جو مقام ابن جریج کا تھا وہ امام ابوحنیفہ کا نہیں۔

(السير: ٦/٣٢٨، ٣٣١)

ایک اور چارہ جوئی یا حیلہ جدلی، فقہاء کی روایات:

اس ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "حَدِیْثٌ یَتَدَاوَلُہُ الْفُقَھَاءُ خَیْرٌ مِنْ حَدِیْثٍ یَتَدَاوَلُہُ الشُّیُوْخُ" کہ جس حدیث کو فقہاء روایت کریں وہ شیوخ کی حدیث سے بہتر ہے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے فرمایا ہے کہ "الأعمش عن أبي وائل عن عبد اللہ بن مسعود" کے مقابلے میں "سفیان عن منصور عن إبراھیم عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود" کی سند بہتر ہے، کیوں کہ اس دوسری سند کے سب راوی فقہاء ہیں۔ امام وکیع رحمہ اللہ کے اس قول سے یہ نتیجہ بھی نکالا گیا ہے کہ اہلِ عراق کی اصح الاسانید وہ ہیں جنھیں امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن، امام ابو حنیفہ سے اور وہ "حماد بن أبي سلیمان عن إبراھیم عن علقمة أو الأسود عن عبد اللہ بن مسعود" سے روایت کرتے ہیں اور یہ سب فقہاء ہیں، بلکہ ابو یوسف و محمد، وکیع سے، ابو حنیفہ سفیان اور اعمش سے، اور حماد، منصور سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (مقدمة الموسوعة: ١/١١٨) مگر یہ سارا تکلف محض اپنی محرومیوں کا مداوا ہے۔ محدثین کرام ہوں یا حنفی محدثین ہوں، وہ اس فکر سے قطعاً ہم نوا نہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جانشین کون:

اولاً تو یہ دیکھیے کہ امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ جنھیں علمائے احناف نے طبقاتِ حنفیہ میں شمار کیا۔ (الجواھر المضیة: ٢/٢٠٨، الفوائد البھیة، ص: ٢٢٢) انھوں نے فقہاء کی سند "سفیان عن منصور عن إبراھیم عن علقمة عن عبد اللہ" کی سند کو مشایخ کی سند سے بہتر قرار دیا ہے۔ آخر کیا راز ہے کہ انھوں نے امام ابو حنیفہ کا تلمیذ ہونے کے باوصف "أبو حنیفة عن حماد بن أبي سلیمان عن إبراھیم"

کی سند جو فقہاء پر ہی مشتمل ہے، اس کا اشارہ تک نہیں کیا؟ امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اسانید میں اصح الاسانید، "سفيان بن سعيد الثوري عن منصور بن المعتمر عن إبراهيم بن يزيد النخعي عن علقمة عن عبد الله بن مسعود" ہے۔ (معرفة علوم الحديث، ص: ٥٥)

اور اسی حقیقت کا اظہار تمام اصولِ حدیث کی کتابوں میں ہے۔ حافظ ذہبی امام منصور کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ علی الاطلاق اصح الاسانید "سفيان عن منصور عن إبراهيم بن علقمة عن ابن مسعود" ہے۔ (السير: ٤٠٣/٥) بلکہ امام احمد بن محمد بن سعید القرشی الہمذانی التبعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس ستون کے پاس بیٹھ کر درس دیتے تھے، ان کے بعد ان کے وہاں جانشین علقمہ تھے، ان کے بعد ابراہیم تھے، ان کے بعد منصور تھے، ان کے بعد سفیان ثوری تھے، ان کے بعد وکیع تھے، ان کے بعد ابوبکر بن ابی شیبہ تھے اور ان کے بعد محمد بن عبداللہ بن سلیمان الحضرمی مطیّن تھے، ان کے بعد ابن سعید تھے۔ (الكامل لابن عدي: ٣١٥/١، تاريغ بغداد: ٦٩/١٠، السير: ١٢٤/١١، تاريخ الإسلام، ص: ٢٢٩، حوادث: ٢٣١، ٢٤٠ھ) مگر السیر اور تاریخ الاسلام میں ابن سعید کے بجائے ابن عقدہ ہے جو صحیح نہیں۔

بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ سے شیخ قاسمی نے مقدمہ الموسوعۃ (ص: ١١٧) اور ان کے شیخ مولانا نعمانی نے "مكانة الإمام الأعظم في علم الحديث" (ص: ٤٤، ٤٥) میں نقل کیا ہے۔ انھوں نے سير أعلام النبلاء (٦٠/٤، ٦١) میں علقمہ بن قیس النخعی کے ترجمہ میں فرمایا ہے کہ بعض حفاظ نے کہا ہے کہ "اصح الاسانید" "منصور عن إبراهيم عن علقمة عن ابن مسعود" ہے، اس لیے منصور سے روایت میں اصح شعبہ اور سفیان ہیں، ان دونوں سے یحییٰ القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی ہیں، پھر ان دونوں

سے اصح الاسانید وہ جو علی بن مدینی سے اور ان سے امام ابو عبداللہ البخاری رحمہ اللہ ہیں۔

اسی استاذ شاگرد نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام وکیع بن جراح کے ترجمہ میں فرمایا ہے کہ عراق کی اصح الاسانید یہ ہے: "أحمد بن حنبل عن وكيع عن سفيان عن منصور عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله" (السير: ۱۵۸/۹) یہی بات امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، جس سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ محدثین رحمہ اللہ کے ہاں اہلِ عراق کی اصح الاسانید کون سی ہے، ان کے ہاں "حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم" کا اصح الاسانید میں شمار کرنے کا کوئی تصور نہیں۔

حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ:

اس لیے حماد بن ابی سلیمان اپنی فقہی بصیرت کے باوصف وہ امام ابراہیم النخعی کے مسند نشین ہی نہیں تھے۔ حتی کہ ابراہیم سے عقیدہ میں بھی مختلف تھے۔ کسے معلوم نہیں کہ حماد مرجی تھے، جب کہ ابراہیم مرجئہ کے سخت خلاف تھے، اور ایمان میں استثناء کے بھی قائل تھے، بلکہ کسی سے یہ سوال کہ تم مومن ہو؟ اس کو بدعت کہتے تھے۔ جیسا کہ کتب السنہ اور عقائد میں مذکور ہے، اس لیے وہ امام ابراہیم کے عقیدہ اور مسندِ حدیث کے جانشین قطعاً نہیں تھے، بلکہ حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں:

"كَانَ حَمَّادٌ يَقُولُ: قَالَ إِبْرَاهِيمُ، فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَتَكْذِبُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ أَوْ أَنَّ إِبْرَاهِيمَ لَيُخْطِئُ"

(تهذيب: ۵۴۰/۳، ط: جمعية دار البر)

"حماد جب کہتے کہ ابراہیم نے کہا ہے تو میں کہتا: اللہ کی قسم! تم ابراہیم کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہو یا ابراہیم نے غلطی کی ہے۔"

امام اعمش رحمہ اللہ بھی ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ انھوں نے ابراہیم سے روایت بیان کی وہ ثقہ نہیں۔ (تھذیب: ۵۴۱/۳)
ابن سعد اور دارقطنی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔

حماد رحمہ اللہ کی جسارت:

حماد رحمہ اللہ کی جسارت دیکھیے کہ حج سے واپسی پر کہا:

"أَبْشِرُوا يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ، رَأَيْتُ عَطَاءً وَطَاوُساً وَمُجَاهِداً، فَصِبْيَانُكُمْ بَلْ صِبْيَانُ صِبْيَانِكُمْ أَفْقَهُ مِنْهُمْ"

(الجواهر المضية: ۲۲۶/۱ وغيره)

"اے اہلِ کوفہ! تمھیں مبارک ہو! میں نے عطاء، طاؤس اور مجاہد کو دیکھا ہے، تمھارے بچے بلکہ تمھارے بچوں کے بچے ان سے زیادہ فقیہ ہیں۔"

امام مغیرہ بن مقسم رحمہ اللہ ان کی اسی جسارت پر فرماتے ہیں:

"ذَلِكَ بَغْيًا مِنْهُ" (التاريخ لابن معين: ۱۳۲/۲، ابن عدي: ۳۰۷/۳، السير: ۲۳۵/۵، ميزان: ۵۶۶/۲)

"یہ حماد کی سرکشی ہے۔"

امام عطاء کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا تبصرہ قارئینِ کرام پہلے معلوم کر چکے ہیں، اس کے تناظر میں فیصلہ فرمائیں کہ حماد بن ابی سلیمان کا یہ تبصرہ امام عطاء، طاؤس اور مجاہد کے تقابل میں کس قدر بدبودار ہے۔ ہم یہاں تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، نہایت اختصار سے عرض ہے کہ ان چاروں کے تراجم تقریب التھذیب میں ہی دیکھ لیں:

- عَطَاءُ بْنُ أَبِي رِبَاحٍ: ثِقَةٌ فَقِيهٌ فَاضِلٌ (تقريب، ص: ۲۳۹)
- طَاوُسُ بْنُ كَيْسَانَ: ثِقَةٌ فَقِيهٌ فَاضِلٌ (تقريب، ص: ۱۵۶)
- مُجَاهِدُ بْنُ جَبْرٍ: ثِقَةٌ إِمَامٌ فِي التَّفْسِيرِ وَفِي الْعِلْمِ (تقريب، ص: ۳۲۸)

۞ حَمَّادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ: فَقِيهٌ صَدُوقٌ لَهُ أَوْهَامٌ (تقریب، ص: ۸۲)

انصاف شرط ہے، بشرطیکہ انصاف کہیں ہو، مسلکی حمیت کا بھوت سوار نہ ہو۔

امام عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ کے مقابلے میں خود حماد رحمہ اللہ کی پوزیشن کیا ہے جو وہ کوفہ کے بچوں کو بھی ان سے زیادہ فقیہ قرار دے رہے ہیں۔

ہمیں اعتراف ہے کہ وہ فقیہ تھے، امام ابراہیم نخعی کے تلمیذ تھے، لیکن وہ ان کی وفات کے بعد بدعتِ ارجاء میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (الجرح والتعدیل: ۳/۱۴۶)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے حماد رحمہ اللہ بن ابی سلیمان کے اس قول پر جو تبصرہ کیا وہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے:

"حَمَّادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَهُوَ فَقِيهُ الْكُوفَةِ بَعْدَ النَّخَعِيِّ الْقَائِمُ بِفَتْوَاهَا وَهُوَ مُعَلِّمُ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقِيلَ لِإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ مَنْ نَسْأَلُ بَعْدَكَ؟ قَالَ: حَمَّادٌ، وَقَعَدَ مَقْعَدَهُ بَعْدَهُ، يَقُولُ فِي عَطَاءٍ وَطَاوُسٍ وَمُجَاهِدٍ وَهُمْ عِنْدَ الْجَمِيعِ أَرْضَى مِنْهُ وَأَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ وَأَرْضَى مِنْهُ حَالًا عِنْدَ النَّاسِ وَفَوْقَهُ فِي كُلِّ حَالٍ مَا تَرَى، وَلَمْ يُنْسَبْ وَاحِدٌ مِنْهُمْ إِلَى الْإِرْجَاءِ وَقَدْ نُسِبَ إِلَيْهِ حَمَّادٌ هٰذَا وَعِيبَ بِهِ وَعَنْهُ أَخَذَهُ أَبُو حَنِيفَةَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ" (جامع بيان العلم: ۲/۱۵۳)

"حماد بن ابی سلیمان، امام ابراہیم نخعی کے بعد کوفہ کے فقیہ اور ان کے ہاں فتاویٰ کو سنبھالنے والے ہیں اور وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے مسائل پوچھا کریں؟ تو انھوں نے کہا: حماد سے، النخعی کے بعد ان کے جانشین اور وہ

عطاء، طاؤس اور مجاہد کے بارے میں (یہ) کہتے ہیں، حالانکہ تمام کے نزدیک وہ حماد سے زیادہ پسندیدہ، زیادہ عالم بلکہ ہر حال میں ان سے فائق تھے۔ ان میں سے کسی کی طرف مرجی ہونے کی نسبت نہیں، جب کہ حماد مرجی تھے، یہ ان پر عیب ہے، انھی سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ارجاء سیکھا ہے، واللہ اعلم۔"

اس سے قطع نظر یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"رِوَايَةُ الْقُدَمَاءِ عَنْهُ تُقَارِبُ الثَّوْرِيَّ وَشُعْبَةَ وَهِشَاماً وَأَمَّا غَيْرُهُمْ فَجَاؤُا عَنْهُ بِأَعَاجِيبَ" (الجرح والتعديل: ۱۴۳/۳، شرح العلل لابن رجب: ۷۶۱/۱، تهذيب: ۵۳۸/۳)

حماد سے اس کے قدماء شاگرد، شعبہ، سفیان، ہشام دستوائی رحمہم اللہ کی روایات متقارب ہیں اور دوسرے اس سے عجائبات روایت کرتے ہیں۔ ابن سعد نے بھی کہا ہے کہ وہ آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

"لَا يُقْبَلُ مِنْ حَدِيْثِ حَمَّادٍ إِلَّا مَا رَوَى عَنْهُ الْقُدَمَاءُ، شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَهِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، وَمَنْ عَدَا هٰؤُلَاءِ رَوَاهُ عَنْهُ بَعْدَ الْاِخْتِلَاطِ" (مجمع الزوائد: ۱۱۹/۱، ۱۲۰)

"حماد کی وہی حدیث مقبول ہے جو ان سے ان کے قدیم شاگرد روایت کرتے ہیں جیسے شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام الدستوائی، اور جو ان کے علاوہ ہیں، انھوں نے اس سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔"

اسی بنا پر ابن الکیال نے انھیں "الکواکب النیرات فی معرفة من اختلط من الرواة الثقات" (ص: ۵۱۵، ۵۱۶) اور شیخ محمد بن طلعت نے بھی "معجم المختلطین" (ص: ۷۸) میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی

انھیں مختلطین میں شمار کیا ہے۔ (شرح علل الترمذي: ۷٦١/٢، ۸۳۵)

اور یہ بات کسے معلوم نہیں کہ امام ابو حنیفہ، حماد بن ابی سلیمان کے متاخرین شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے اس سلسلۂ سند کو اصح الاسانید قرار دینا محض خوش فہمی اور اپنے آپ کو دلاسہ دینے کی کوشش ہے۔ بلکہ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ فقہ میں مستقیم ہیں، مگر جب آثار روایت کرتے ہیں تو گڑ بڑ کرتے ہیں۔

(الجرح والتعدیل: ۱٤۷/۳، ۱٤۸، التهذیب)

بلکہ حافظ ذہبی نے تو کہا ہے: ”لَیسَ هُوَ بِالْمُكْثِرِ مِنَ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُ مَاتَ قَبْلَ أَوَانِ الرِّوَايَةِ“ (السیر: ۲۳۱/۵) کہ وہ کثیر الروایہ نہیں، کیوں کہ روایات کے (پھیلاؤ کے) وقت سے پہلے وہ فوت ہو گئے تھے۔ مزید دیکھیے: شرح العلل لابن رجب (۸۳۵/۲)

امام وکیع رحمہ اللہ حنفی تھے؟

امام وکیع کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ حنفی تھے، ہوں گے۔ کاش کہ دیگر حضرات بھی ان جیسے حنفی ہوتے، مگر یہ بھی تو دیکھیے کہ وہ اصحاب الحدیث سے فرماتے ہیں:

”لَوْ أَنَّكُمْ تَفَقَّهْتُمُ الْحَدِيثَ وَتَعَلَّمْتُمُوهُ مَا غَلَبَكُمْ أَصْحَابُ الرَّأْيِ، مَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ فِي شَيْءٍ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ إِلَّا وَنَحْنُ نَرْوِي فِيهِ بَاباً“ (الفقیه والمتفقه: ۸۳/۲، الطیوریات، رقم: ٦١٠، ۹۳۱)

”اگر تم حدیث کو سمجھو اور اس کا کما حقہ علم حاصل کرو تو اہل الرائے تم پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ امام ابو حنیفہ جو کچھ کہتے ہیں اور وہ حدیث کے محتاج ہوتے ہیں، مگر ہم اس بارے میں ایک باب روایت کرتے ہیں۔“

امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ملے تو مجھے فرمایا: اگر تم

حدیث لکھنا چھوڑ دو، اس کے بجائے علمِ فقہ حاصل کرو تو کیا یہ تمھارے لیے بہتر نہ ہوتا؟ میں نے کہا: کیا تمام فقہ حدیث میں نہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: بتلاؤ ایک عورت حمل کا دعویٰ کرتی ہے، جب کہ اس کا خاوند انکار کرتا ہے (کہ میں نے اس سے ہم بستری نہیں کی) میں نے کہا: مجھے عباد بن منصور نے حدیث بیان کی، انھوں نے عکرمہ اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کی صورت میں لعان کروایا۔ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ سن کے مجھے چھوڑ کر چلے گئے، بلکہ اس کے بعد وہ جب مجھے آتا ہوا دیکھتے تو راستہ بدل کر نکل جاتے۔ (الفقیہ والمتفقہ: ۲/۸۳)

علاوہ ازیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب الحج "باب ما جاء في إشعار البدن" میں ذکر کیا ہے کہ امام وکیع نے حدیثِ اشعار بیان کرنے کے بعد فرمایا: اہلِ رائے کے قول کی طرف التفات نہ کرو، اشعار سنت ہے اور ان کا قول بدعت ہے۔ نیز امام وکیع رحمہ اللہ نے ایک اہلِ رائے سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا ہے، مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ مثلہ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اشعار مُثلہ ہے۔ یہ سن کر امام وکیع رحمہ اللہ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا: میں تمھیں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اور تم کہتے ہو کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہے، تم اس کے مستحق ہو کہ تمھیں قید میں ڈالا جائے، تاآنکہ تم اپنے اس قول سے رجوع کرلو۔" (ترمذی مع التحفة: ۲/۱۰۶، ۱۰۷)

ان اقوال کے برعکس یہ کہنا کہ وہ حنفی تھے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے، "مدعی سست، گواہ چست" کا مصداق ہے۔ البتہ وہ امام ابو حنیفہ اور دیگر اہلِ کوفہ کے قول کے مطابق "کوفی نبیذ" پیتے تھے۔ (السیر: ۹/۱۴۳) امام وکیع رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

"وَجَدْتُ أَبَا حَنِيْفَةَ خَالَفَ مِئَتَيْ حَدِيْثٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" (الانتقاء لابن عبد البر، ص: ۲۹۲)

"میں نے امام ابوحنیفہ کو دوسو احادیث رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے پایا۔"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایمان کے بارے میں فرماتے تھے: "أنا مؤمن" جبکہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے: "أَنَا مُؤْمِنٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ" جیسا کہ "الموسوعة الحديثية" (۲۱۰/٤، ۲۱۱) میں ہے۔ امام وکیع رحمہ اللہ اس بارے میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہم نوا نہ تھے۔ امام سفیان رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل خود انہی سے بروایتِ امام وکیع رحمہ اللہ یوں منقول ہے کہ ہم مومن ہیں اور اہلِ قبلہ ہمارے نزدیک مومن ہیں، البتہ ہم سے خطائیں ہوتی ہیں، اس لیے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارا حال کیا ہے؟ امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا: مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: جو کوئی سفیان کے قول کو تسلیم کرتا ہے، وہ ہمارے نزدیک شکی ہے، ہم یہاں بھی مومن ہیں اور عند اللہ بھی مومن ہیں۔ امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم سفیان رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کہتے ہیں اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہمارے نزدیک جرأت و جسارت ہے۔ (تاریخ بغداد: ۳۷۰/۱۳)

امام وکیع کا یہی قول مختصراً ابن ابی العوام نے فضائل ابی حنیفہ (ص: ۱۳۲، رقم: ۲۲۳) میں بھی نقل کیا ہے کہ امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام سفیان رحمہ اللہ سے جب کہا جاتا کہ کیا آپ مومن ہیں؟ تو وہ فرماتے: ہاں، اور جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے ہاں بھی (آپ مومن ہیں)؟ تو فرماتے: "أَرْجُوْ" امید ہے کہ اللہ کے ہاں بھی مومن ہوں گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے: میں یہاں بھی اور اللہ کے ہاں بھی مومن ہوں۔ امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام سفیان رحمہ اللہ کا قول ہمارے ہاں زیادہ محبوب ہے۔

قارئینِ کرام! غور فرمائیں کہ تاریخ بغداد اور ابن ابی العوام کی روایت میں اصل مسئلے کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟ قطعاً نہیں۔ البتہ تاریخ بغداد کی روایت میں امام وکیع رحمہ اللہ کا یہ قول زائد ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول ہمارے نزدیک (بڑی) جسارت ہے، علامہ کوثری نے ابن ابی العوام کی روایت کو تو صحیح تسلیم کیا، مگر تاریخ بغداد کی روایت کو دراصل خطیب بغدادی کی دشمنی میں سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ کوثری کی غلط فہمی اور دھوکا دہی:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انھوں نے تاریخ بغداد کی روایت کے راوی محمد بن جبویہ النخاس کو جو محمود بن غیلان کا شاگرد اور اس سے روایت کرنے والا جبریل بن محمد المعدل ہے، کے بارے میں فرمایا ہے کہ تاریخ بغداد کے نسخوں میں یہ محمد بن حیویہ ہے، جب کہ صحیح ''جبویہ'' ہے، لہٰذا:

''وَالصَّوَابُ أَنَّ مُحَمَّداً فِيْ السَّنَدِ هُوَ ابْنُ جَبَوَيْهِ النَّخَّاسُ الْهَمْذَانِيُّ، وَقَدْ كَذَّبَهُ الذَّهَبِيُّ فِيْ ''تَلْخِيصِ الْمُسْتَدْرَكِ'' حَيْثُ قَالَ فِيْ حَدِيْثِ مِيْنَاءَ: ابْنُ جَبَوَيْهِ مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ، أَفَمَا اسْتَحْيَا الْمُؤَلِّفُ -يَعْنِيُ الْحَاكِمَ- أَنْ يُّوْرِدَ هَذِهِ الْأُخْلُوْقَاتِ فِيْمَا يَسْتَدْرِكُ عَلَى الشَّيْخَيْنِ، فَلَا يَصِحُّ هَذَا الْخَبَرُ عَنْ وَكِيْعٍ بِمِثْلِ هَذَا السَّنَدِ''

(تأنيب الخطيب، ص: ٦٠ ط: المكتبة الأزهر)

''اور صحیح یہ ہے کہ سند میں محمد، ابن جبویہ النخاس الہمذانی ہے اور ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اس کی تکذیب کی ہے، چنانچہ حدیث میناء کے متعلق کہا ہے کہ ابن جبویہ متہم بالکذب ہے۔ کیا مولف یعنی حاکم کو حیا نہ

آئی کہ اس قسم کی من گھڑت کو شیخین پر استدراک میں ذکر کرتا ہے، لہٰذا وکیع رحمہ اللہ سے اس سند کے ساتھ یہ خبر صحیح نہیں۔"

عرض ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے جو روایت میناء بن ابی مینا سے ذکر کی ہے وہ اسے "أَبُوْ بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ حَيُّوْيَه بْنِ الْمُؤَمَّلِ الْهَمْذَانِيُّ" سے لائے ہیں۔ (المستدرك: ٣/١٦٠) اور اس کا وِزر تنہا ابن حیویہ پر نہیں، حافظ ذہبی کا کلام ہے:

"إِنَّما ذَا (يَعْنِيْ مِيْنَاءَ) تَابِعِيٌّ سَاقِطٌ وَقَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ كَذَّابٌ يُكَذَّبُ، وَقَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ: لَيْسَ بِثِقَةٍ، وَلَكِنْ أَظُنُّ أَنَّ هَذَا وَضَعَ عَلَى الدَّبَرِيِّ فَإِنَّ ابْنَ حَيُّوْيَه مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ" الخ

یہ میناء تابعی ہے اور ساقط الاعتبار ہے، ابو حاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ کذاب ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ ابن معین رحمہ اللہ نے "ليس بثقة" کہا ہے، لیکن میرا گمان یہ ہے کہ یہ اسحاق الدبری پر گھڑی گئی ہے، کیونکہ ابن جبویہ متہم بالکذب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے میناء کے ترجمے میں امام حاکم رحمہ اللہ کے کلام کی تین اعتبار سے تردید کی ہے۔ تفصیل کے لیے الاصابہ میں میناء کا ترجمہ القسم الرابع میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ روایت بلاشبہہ موضوع ہے، لیکن علامہ کوثری کی ہوشیاری کہیں یا دھوکا دہی کہ تاریخ بغداد میں محمد بن جبویہ النحاس الہمذانی کو انھوں نے مستدرک حاکم کا راوی محمد بن جبویہ الہمدانی باور کر کے علامہ ذہبی کی جرح تاریخ بغداد کے راوی کے بارے میں نقل کر دی۔ حالانکہ تاریخ بغداد کا راوی جیسا کہ خود انھوں نے کہا ہے، وہ محمد بن جبویہ النحاس الہمذانی ہے، جبکہ مستدرک کے جس راوی پر جرح ہے، وہ "محمد بن جبویہ بن المؤمل الہمذانی" ہے۔ اور محمد بن جبویہ بلاشبہہ مجروح ہے، ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد (٥/٢٣٣)، میزان (٣/٥٣٢)، لسان (٥/١٥١)، المغني (٢/٥٧٤)، دیوان الضعفاء (٢٧١)، السیر (١٦/٣٣٠) وغیرہ۔

یہاں یہ بھی دیکھیے کہ علامہ کوثری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تاریخ بغداد کا راوی محمد بن العباس الخزاز المعروف بابن حیویہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ متاخر ہے اور اس نے محمود بن غیلان کو نہیں پایا۔ عرض ہے کہ امام محمد بن العباس بن محمد الخزاز ابن حیویہ جو ۳۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ (السیر: ۱۶/۴۰۹، ۴۱۰) بلاشبہہ وہ محمود بن غیلان رحمہ اللہ سے روایت نہیں کر سکتے مگر محمد بن حیویہ بن المومل جو مستدرک کا راوی اور امام حاکم رحمہ اللہ کا استاد ہے وہ بھی تو ۳۷۲ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ اور علامہ کوثری نے ان پر جو جرح ہے وہ تاریخ بغداد کے راوی محمد بن جبویہ پر فٹ کر دی ہے۔ یہ محمد بن حیویہ امام محمود بن غیلان سے کیسے روایت کرسکتا ہے؟ کاش علامہ کوثری نے کچھ تو سوچا سمجھا ہوتا۔

رہا تاریخ بغداد کا راوی محمد بن جبویہ النحاس تو وہ ابوجعفر محمد بن جبویہ بن بندار الھمذانی ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں: "سَمِعَ مَحْمُوْدَ بْنَ غَيْلَانَ" "کہ اس نے محمود بن غیلان سے سماع کیا ہے۔" "وَكَانَ صَدُوْقاً خَيِّراً" "اور وہ صدوق پسندیدہ تھا۔" (تاریخ الإسلام، ص: ۳۲۹، حوادث: ۳۰۱ سے ۳۲۰ھ) نیز دیکھیے: الإكمال (۳۶٤/۲)، المشتبه للذهبي (۱۳۹/۱)، تلخيص المتشابه (۳۷۲/۱) علامہ المزی رحمہ اللہ نے بھی محمود بن غیلان کے ترجمہ میں ابوجعفر محمد بن جبویہ النحاس کو ان کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ (تهذيب الكمال: ۱۷/٤۷۹)

اندازہ کیجیے کہ علامہ کوثری نے تاریخ بغداد کی روایت کو ضعیف بنانے میں کتنا تکلف کیا ہے اور ان کی یہ حیلہ سازی ہوتی ہے کہ اسی نام کا کوئی اور ضعیف راوی تلاش کر کے اسے ضعیف قرار دے دیا جائے۔

یہ ناکارہ یہ بحث لکھ چکا تو خیال آیا کہ دیکھیں علامہ المعلمی نے اس بارے التنکیل میں کیا لکھا ہے۔ مگر التنکیل میں انھوں نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا، پھر

طلیعۃ التنکیل کو دیکھا تو اس کی ابتدا ہی میں انھوں نے اس قسم کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں اور ان میں سے ایک یہی ابن جبویہ بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو: طلیعہ (ص: ۲۵۔۲۷)، اور علامہ الکوثری نے ان کے اس تعاقب کو الترھیب مع تانیب (ص: ۳۲۵) میں تسلیم کیا ہے اور فرمایا ہے: ''فَأَشْكُرُهُ عَلَى هَذِهِ الْإِفَادَةِ'' کہ میں اس فائدہ پر ان کا شکر گزار ہوں۔ گویا خطیب بغدادی کی اس روایت پر اپنے اعتراض کو غلط تسلیم کیا ہے، لہٰذا امام وکیع رحمہ اللہ نے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف پر تبصرہ کیا ہے، وہ درست ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ میں یہاں دنیا میں اور عند اللہ بھی مومن ہوں، بہت بڑی جسارت ہے۔

ایمان میں استثناء کا مسئلہ ہی نہیں، بلکہ اس بارے میں بھی کہ کیا اعمال ایمان کا حصہ ہیں یا نہیں؟ امام وکیع رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مخالف تھے جو فرماتے تھے کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں، جب کہ امام وکیع رحمہ اللہ سے بسندِ صحیح منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی یہ بہت بڑی جسارت ہے۔

(الانتقاء لابن عبد البر، ص: ۲۵٦)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف اور الموسوعہ:

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ علامہ التفتازانی نے لکھا ہے کہ بہت سے سلف حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ''أَنَا مُؤْمِنٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ'' کہنے کے قائل ہیں، اس کی شرح میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

''وَيُنْسَبُ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ الصَّحَابِيِّ رضی اللہ عنہ، ذَا عَجَبٍ لِأَنَّ بِنَاءَ مَذْهَبِ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى حَدِيثِهِ وَاجْتِهَادِهِ''

(النبراس، ص: ٤٢٠)

''یہی جواز کا قول عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ حنفیہ کے مذہب کی بنیاد ان کی حدیث اور

ان کے اجتہاد پر ہے۔"

مگر حنفیہ یہاں ان کے مخالف ہیں، بلکہ محشی نے اس کے حاشیہ میں احیاء العلوم کی شرح کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شیخ کے شیخ کے شیخ ہیں، ان سے مشہور اس کا جواز ہے اور یہی اکثر سلف کا موقف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"أَمَّا مَذْهَبُ سَلَفِ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ، كَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَصْحَابِه وَالثَّوْرِيِّ وَابْنِ عُيَيْنَةَ، وَأَكْثَرِ عُلَمَاءِ الْكُوفَةِ، وَيَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ الْقَطَّانِ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ عُلَمَاءِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، وَأَحْمَدِ بْنِ حَنْبَلٍ وَغَيْرِهِ مِنْ أَئِمَّةِ السُّنَّةِ فَكَانُوا يَسْتَثْنُونَ فِي الْإِيمَانِ وَهٰذَا مُتَوَاتِرٌ عَنْهُمْ" (مجموع الفتاویٰ: ۴۳۸/۷، ۴۳۹)

"سلف اصحاب الحدیث کا مذہب، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ اور سفیان ثوری، ابن عیینہ اور اکثر علمائے کوفہ، اور یحییٰ بن سعید قطان جیسا کہ ان سے علمائے اہلِ بصرہ نقل کرتے ہیں اور ائمۂ سنت میں سے امام احمد بن حنبل وغیرہ ایمان میں استثناء کرتے تھے اور یہ ان سے تواتر سے ثابت ہے۔"

اس سے قبل انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "کتاب اللہ میں جس مومن سے جنت کا وعدہ ہے وہ ایسا مومن ہے جو ایمان پر فوت ہوتا ہے، اسی لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سلف فرماتے ہیں کہ جو اپنے ایمان کی شہادت دیتا ہے، لازم ہے کہ وہ یہ بھی شہادت دے کہ وہ جنتی ہے، کیوں کہ جنت میں وہی جائے گا جو ایمان پر فوت ہو گا۔

لہٰذا جب انسان یہ کہتا ہے کہ میں یقیناً مومن ہوں اور اللہ کے ہاں بھی میں مومن ہوں تو اسے کہا جائے گا کہ تم یقیناً یہ بھی کہو کہ اس حالت میں فوت ہوا تو بغیر عذاب کے میں جنت میں جاؤں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مومن جنت میں جائے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں تو انھوں نے فرمایا: تم نے ان سے یہ سوال کیوں نہیں کیا کہ کیا وہ جنتی ہیں؟ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: اس سے پوچھو، کیا وہ جنتی ہے یا جہنمی؟ چنانچہ انھوں نے اس سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا: اللہ اعلم۔ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے پہلی بار کیوں نہ کہا کہ اللہ بہتر جانتا ہے جبکہ دوسری بات کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ٤١٦/٧، ٤١٧)

ابوجعفر محمد بن الحسن الموصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے ایمان میں استثناء کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا:

"نَعَمْ قَدِ اسْتَثْنَى ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَغَيْرُهُ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ"

(طبقات الحنابلة: ٢٨٩/١)

"ہاں درست ہے، عبداللہ بن مسعود وغیرہ استثناء کرتے تھے اور یہ قول سفیان الثوری کا ہے۔"

اس مسئلے کی یہاں تحقیق و تنقیح مطلوب نہیں، بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ امام احمد، حافظ ابن تیمیہ اور علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایمان میں استثناء کا قول معروف ہے اور ان کا یہ قول مختلف اسانید سے کتاب السنة لعبد الله بن أحمد (ص: ٢٩٠، ٢٩١)، کتاب السنة للخلال (رقم: ١٣٤٩)، الإبانة الكبرىٰ (١٢٦٨)، الشريعة (رقم: ٢٨٤) وغیرہ کتب میں سند صحیح سے منقول ہے۔

جبکہ اس کے برعکس الموسوعة الحديثية (١٩٠/٤) "باب قول الرجل أنا مؤمن حقا" کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کچھ منقول ہے وہ ضعفِ اسانید کے علاوہ نامکمل اور مجمل ہے، جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ (٥٨٧/١٥، ٥٨٨، رقم: ٣٠٩٧١) کی مکمل روایت میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے شاگرد کی تصدیق ہے، جس نے کہا تھا کہ میں مومن ہوں، مگر یہ نہیں کہتا کہ میں جنتی ہوں اور بالآخر انھوں نے فرمایا: "صَدَقْتَ وَاللّٰهِ إِنْ كَانَتْ مِنِّي لَزَلَّةٌ" "تم نے سچ کہا، اللہ کی قسم! یہ میری لغزش تھی۔"

یہ مسئلہ وسیع الذیل ہے، اس کے برگ و بار کہاں تک پہنچے اور "أنا مومن إن شاء الله" کہنے والوں کے بارے میں کیا کیا فتویٰ صادر فرمایا گیا، یہ تکلیف دہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لیے ہم اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ تاہم اس حوالے سے الموسوعة (٢١٣/٤، رقم: ٣٣٩) میں امام صاحب کا فتویٰ منقول ہے کہ جو ایمان میں استثناء کرتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں، حالانکہ یہ فتویٰ استاذ الحارثی جیسے کذاب نے ہمام بن مسلم جیسے سارق الحدیث اور متروک سے نقل کیا ہے۔ (میزان: ٣٠٨/٤، لسان: ١٩٩/٦، ٢٠٠) اس "فتویٰ" کی زد میں کون کون آتا ہے، اہلِ علم اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔

امام وکیع رحمہ اللہ کا ایک اور قول:

علاوہ ازیں امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مرجی تھے اور حاکمِ وقت کے خلاف خروج کے قائل تھے۔ (الضعفاء للعقيلي: ١٦٧/٦، ط: مكتبة الرشد) یہی بات امام ابواسحاق الفزاری وغیرہ نے بھی کہی ہے۔ یہ سب اقوال بتلاتے ہیں کہ وہ کس قسم کے "حنفی" تھے۔ ہم اس بارے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، البتہ یہ بات

معروف ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی اہل الرائے سے اور بالخصوص اصحابِ ابی حنیفہ سے روایت لینے کے قائل نہ تھے۔
(الجرح والتعديل: ٢٠١/٩، تهذيب الكمال: ٣٩٠/١١، بحر الدم وغيره)

اگر امام وکیع رحمہ اللہ اہل الرائے میں سے ہوتے تو امام احمد رحمہ اللہ ان سے روایت نہ لیتے اور نہ ان کی تعریف وتوصیف بیان کرتے۔ غور فرمائیے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے قاضی ابو یوسف کو صدوق کہنے کے باوجود ان سے روایت نہیں لی۔ (الجرح والتعديل: ٢٠١/٩، تاريخ بغداد: ٢٦٠/١٤) اس لیے کہ وہ اہل الرائے اور تلمیذ ابی حنیفہ ہیں۔ ولید بن صالح سے بھی روایت نہیں لی کہ وہ اہل الرائے میں تھے۔ (فتح الباري: ٣٩/٧)
مزید دیکھیے راقم کے مقالات: (٢٣٥/٣۔٢٣٨) فاعتبروا يا أولي الأبصار.

البتہ امام وکیع رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر اکثر اہلِ کوفہ کے قول کے مطابق کوفی نبیذ پیتے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ اہل الرائے میں سے تھے اور امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ خود ان کا قول ہے کہ اگر بصری یہ نبیذ پیے تو اسے متہم سمجھ کر اور اگر کوفی پیے تو وہ اسے جائز سمجھ کر پیتا ہے۔ (تاريخ بغداد: ٢٣٧/٦، السير: ١١٧/٩) والله أعلم

اسی نوعیت کا ایک اور دعویٰ:

خلاصۂ کلام یہ کہ "أبو حنيفة عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم" کی سند کو اصح الاسانید قرار دینا احساسِ محرومی کا نتیجہ ہے۔ اور یہ دعویٰ چودھویں صدی ہجری کی بدعت ہے جس کی تائید نہ ائمۂ محدثین سے، نہ ہی مشائخِ احناف سے ثابت ہے۔

اسی قسم کا دعویٰ شیخ قاسمی صاحب نے بھی کیا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح نخبۃ الفکر میں کہا ہے کہ جو خبرِ واحد محتف بالقرائن ہو وہ علمِ یقینی نظری کا فائدہ دیتی ہے

اور ان میں سے ایک قسم ''المسلسل بالأئمة الحفاظ المتقنین'' ہے۔ قاسمی صاحب فرماتے ہیں: اس اصول پر جو روایت امام لیث بن سعد، امام ابو یوسف سے بیان کریں اور وہ امام ابو حنیفہ سے روایت کریں، یا اسی طرح جسے امام شافعی، امام محمد بن الحسن سے اور وہ امام ابو حنیفہ سے روایت کریں تو یہ سلسلۂ سند بھی ''مسلسل بالأئمة الحفاظ المتقنین'' پر مشتمل ہے۔ (الموسوعة: ۱/۱۱۹)

مگر یہ بھی محض حنفیت میں غلو کا نتیجہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ حفاظِ حدیث میں شمار ہی نہیں ہوتے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ ان کے بارے میں گو کچھ کمزور سے سہارے تو مل جاتے ہیں، مگر کیا قاسمی صاحب اور ان کے ہم نوا ثابت کر سکتے ہیں کہ امام محمد بن حسن الشیبانی کو بھی کسی محدث نے ''الحفاظ المتقنین'' میں شمار کیا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو ہمارے حنفی حضرات، غالی حنفی باور کراتے ہیں ہیں۔ (الإمام ابن ماجه، ص: ۱۲۸، تقدمه نصب الراية، ص: ٤٢) وہ امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد ہونے اور ان کی کتاب ''الجامع الصغیر'' کا براہِ راست سماع کرنے کے باوجود فرماتے ہیں: ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' (التاریخ لابن معین: ۲/۵۱۱، رقم النص: ۱۷۷۰) امام یحییٰ رحمہ اللہ کا ایک قول ہے: ''جهمي كذاب''۔ ایک اور قول ہے: ''ليس بشيء، لا يكتب حديثه'' یہی آخری جرح امام ابو داود رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ جو امام محمد کے استاد ہیں، کہتے تھے: محمد بن حسن مجھ پر جھوٹ بولتا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے: اسے حدیث سے لگاؤ نہ تھا۔ اہلِ حدیث اس کی حدیث سے مستغنی ہیں۔

امام البرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام دارقطنی رحمہ اللہ سے محمد الشیبانی رحمہ اللہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: امام یحییٰ رحمہ اللہ اسے کذاب کہتے تھے۔ امام

احمد رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے، مگر میرے نزدیک وہ متروک نہیں ہے۔ (سؤالات البرقاني: ٤٦٨) نیز دیکھیں: موسوعة أقوال أبي الحسن الدارقطني (٢/٥٦٦)، میزان الاعتدال (٣/٥١٣)، اللسان (٥/١٢١) وغیرہ.

امام محمد بن حسن کا فقیہ ہونا امرِ دیگر ہے، جب کہ "الحفاظ المتقنين" میں شمار ہونا اور بات ہے۔ اس لیے "إمام شافعي عن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة" کی سند کو "المسلسل بالأئمة الحفاظ المتقنين" قرار دینا اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بالخصوص جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کوئی روایت امام محمد رحمہ اللہ سے نہیں کی۔ باہم مذاکرہ تو ہے، باقاعدہ تلمذ اور روایت کرنا ثابت نہیں۔ اسی طرح "ليث بن سعد عن أبي يوسف عن أبي حنيفة" کی سند کو بھی اسی زمرے میں شمار کرنا درست نہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات بجائے خود غور طلب ہے کہ ذخیرۂ کتب میں کیا اس سند سے کوئی حدیث ثابت ہے یا یہ سب موہوم کہانی ہے۔ علامہ کوثری نے بھی امام لیث کو قاضی ابو یوسف کے شیوخ میں ذکر کیا ہے، قاضی ابو یوسف کے تلامذہ میں نہیں۔

(حسن التقاضي، ص: ٨٢، مع الإمتاع)

حنفی خلفائے راشدین مہدیین:

اس عنوان سے قارئینِ کرام کو توحش نہیں ہونا چاہیے کہ تمام اہلِ سنت تو خلفائے راشدین مہدیین خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو تسلیم کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ))

(أحمد: ٤/١٢٦، ١٢٧، أبو داود، ترمذي وغيرهم)

''تمھارے اوپر میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے۔''

علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان خلفاء سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔'' (مرعاۃ: ۲۴۲/۱) مگر شیخ قاسمی صاحب مذہب حنفی کے انتشار کے ضمن میں مسعود بن شیبہ سندھی کی کتاب مقدمہ کتاب التعلیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''وَلَمْ تَزَلِ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ الْمَهْدِيُّوْنَ مِنْ آلِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ذَابِّيْنَ عَنْ هَذَا الْمَذْهَبِ مُعْتَقِدِيْنَ لِأُصُوْلِهِ عَامِلِيْنَ بِفُرُوْعِهِ نَاصِرِيْنَ لِأَصْحَابِهِ أَوَّلُهُمُ الْمَنْصُوْرُ وَالْمَهْدِيُّ وَالرَّشِيْدُ وَالْأَمِيْنُ وَالْمَأْمُوْنُ وَالْمُعْتَصِمُ وَالْوَاثِقُ وَالْمُتَوَكِّلُ''

الخ (مقدمة الموسوعة: ۶۶/۱، مقدمه كتاب التعليم، ص: ۳۴۷)

''ہمیشہ خلفائے راشدین مہدیین و آل عباس بن عبدالمطلب میں سے تھے، اس مذہب حنفی کا دفاع کرتے رہے جو حنفی اصول کے معتقد اور اس کے فروع کے پابند تھے اور امام صاحب کے اصحاب کے مددگار تھے۔ ان میں سب سے پہلے منصور پھر مہدی اور الرشید، الامین، مامون، معتصم، واثق، متوکل وغیرہ تھے۔''

ان ''الخلفاء الراشدون والمهديون'' کے بارے میں علامہ علی قاری کا تبصرہ بھی یہاں دیکھیے، لکھتے ہیں:

''إِنَّ إِطْلَاقَ الْخَلِيْفَةِ عَلَى الْخُلَفَاءِ الْعَبَّاسِيَّةِ كَانَ عَلَى الْمَعَانِيْ اللُّغَوِيَّةِ الْمَجَازِيَّةِ الْعُرْفِيَّةِ دُوْنَ الْحَقِيْقَةِ الشَّرْعِيَّةِ''

(شرح العقائد، ص: ۶۵)

”خلفائے عباسیہ پر خلیفہ کا اطلاق لغوی مجازی عرفی معنی میں ہے۔
حقیقتِ شرعیہ میں نہیں۔“

مگر شیخ مسعود کی عصبیت کا اندازہ لگائیں کہ وہ انھیں خلفائے راشدین مہدیین میں شمار کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں!

مسعود بن شیبہ سندھی ہی مجہول ہے:

آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھیے کہ ”مقدمہ کتاب التعلیم“ لجنۃ الادب السندی حیدر آباد سندھ سے مولانا عبدالرشید نعمانی کی تحقیق و تعلیق سے شائع ہوا ہے اور اس کے مصنف مسعود بن شیبہ سندھی کو الشیخ، الامام، شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کیا گیا، جب کہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس ”شیخ الاسلام“ اور ”الامام“ کے نہ کسی استاد کا پتا چلتا ہے نہ کسی تلمیذِ رشید کا، نہ اس کی سنِ وفات کا۔ ”شیخ الاسلام“ کا لقب شیخ عبدالقادر القرشی نے الجواهر المضية (۱۶۲/۲) میں دوسطری تذکرہ میں دیا جو اپنے حنفی حضرات کو اس قسم کے القاب دینے میں بڑے فیاض ہیں۔ اور اتنا ہی اس کا ”ذکرِ خیر“ نزهة الخواطر (۱٦٦/۲) میں مولانا سید عبدالحی لکھنوی نے کیا ہے۔ نیز دیکھیے: تاج التراجم (۳۰۳)

مولانا نعمانی ”مقدمہ کتاب التعلیم“ کے تقدمہ میں بھی ”الجواهر المضية“ کے حوالے سے اس ”شیخ الاسلام“ کا دوسطری ترجمہ ذکر کرنے کے بعد حافظ قاسم کی کتاب تاج التراجم اور علامہ علی قاری کی ”الأثمار الجنية في طبقات الحنفية“ کا حوالہ دینے کے بعد اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں:

”وَقَدِ اجْتَهَدتُّ بِأَنْ أَجِدَ لَهُ تَرْجَمَةً أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَلَمْ أَعْثِرْ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا بِأَيْدِينَا“ (تقدمہ، ص: ۷٦)

”میں نے بڑی کوشش کی کہ ان کا ترجمہ اس کے علاوہ بھی پاؤں مگر

ہمارے ہاتھوں میں جو مراجع ہیں، ان میں سے کسی میں اس کا ترجمہ پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔''

اس کے بعد اس حوالے سے انھوں نے جو دفاعی کوشش کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بارے میں اپنے روایتی عناد کا ذکر کیا ہے، اس بارے میں اس ناکارہ کی معروضات تطویل کا باعث بنے گی، اس لیے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عرض ہے کہ علامہ کوثری ہوں یا مولانا نعمانی؛ ان کا حافظ ابن حجر پر غیظ وغضب محض ان کی عصبیت کا آئینہ دار ہے۔

شیخ مسعود کی جسارتیں:

گذارش ہے جو کچھ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں مسعود بن شیبہ کے بارے میں کہا، وہی کچھ ان سے پہلے ان کے استاد حافظ عراقی کہہ چکے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

''مَسْعُوْدُ بْنُ شَيْبَةَ بْنِ الْحُسَيْنِ السِّنْدِيُّ عِمَادُ الدِّيْنِ الْحَنَفِيُّ، مَجْهُوْلٌ لَا يُعْرَفُ عَنْ مَنْ أَخَذَ الْعِلْمَ وَلَا مَنْ أَخَذَ عَنْهُ، لَهُ مُخْتَصَرٌ سَمَّاهُ ''اَلتَّعْلِيْمَ'' كَذَبَ فِيْهِ عَلَى مَالِكٍ وَعَلَى الشَّافِعِيِّ كَذِباً قَبِيْحاً، فِيْهِ ازْدِرَاءٌ بِالْأَنْبِيَاءِ، وَقَالَ فِيْهِ: لَا يُعْرَفُ لِلشَّافِعِيِّ مَسْأَلَةٌ اِجْتَهَدَ فِيْهَا، وَلَا حَادِثَةٌ اِسْتَنْبَطَ حُكْمَهَا غَيْرَ مَسَائِلَ مَعْدُوْدَةٍ تَفَرَّدَ بِهَا، كَذَا قَالَ. قُلْتُ: أَظُنُّهُ كَانَ فِيْ عَصْرِ الْمُعَظَّمِ بْنِ الْعَادِلِ'' (ذیل میزان الاعتدال، ص: ۴۱۵، ۴۱۶)

یہی مکمل عبارت سوائے ''قُلْتُ: أَظُنُّهُ '' الخ کے لسان المیزان میں ہے۔

اس لیے علامہ کوثری اور نعمانی صاحب پنجہ جھاڑ کر جو حافظ ابن حجر کے پیچھے پڑ گئے

ہیں یہ ان کے روایتی عناد کا نتیجہ ہے۔

لسان المیزان کے ماخذ میں ذیل المیزان بھی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لسان کے مقدمہ (۴/۱) میں ذکر کیا اور وضاحت کی ہے کہ ذیل المیزان سے جو ترجمہ نقل کروں گا، اس پر ''ذ'' کا اشارہ دوں گا اور لسان مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ میں مسعود بن شیبہ کے ترجمہ کی ابتدا میں یہ اشارہ موجود ہے، اس لیے ان حضرات کی حافظ ابن حجر کے خلاف ہرزہ سرائی ان سے عداوت کا نتیجہ ہے۔

علامہ کوثری نے جو اندھیرے میں تیر چلایا، اس کا دفاع علامہ المعلمی نے ''طليعة التنكيل'' (ص: ٦٣) اور ''التنكيل'' (ص: ٣٨٣، ٣٩٤) میں ایسا کیا کہ علامہ کوثری ''الترحيب بنقد التانيب'' میں اس کے جواب سے خاموش رہے۔

''خاموشی'' بے سبب نہیں غالبؔ　　　کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

امام شافعی کو غبی کہا گیا:

حافظ عراقی نے کتاب التعلیم کے حوالے سے امام مالک اور امام شافعی کی تنقیص اور ان پر جھوٹ بولنے اور آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی کی تحقیر کرنے کا جو ذکر کیا ہے اس کی تفصیل تو معلوم نہیں، البتہ مسعود بن شیبہ کی مقدمہ کتاب التعلیم پیشِ نظر ہے جس میں ایک جگہ امام شافعی کو غبی کہا، ایک جگہ امام شافعی کو ''غَبِيٌّ لَا يَفْهَمُ كَثِيراً'' (ص: ١٤٥) لکھا ہے کہ وہ کند ذہن، زیادہ علم نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح امام مالک اور امام شافعی کے تلامذہ کے بارے میں اس کی جسارت (ص: ٣٣٢، ٣٣٣) دیکھی جا سکتی ہے۔

حنفیت میں غلو کی انتہا:

حنفیت میں غلو کا اندازہ کیجیے کہ لکھتے ہیں:

"لِيَتحقَّقِ الْخاصُّ وَالْعَامُّ، وَتَسْتَيْقِنِ الْجُهَّالُ الطَّغَامُ أَنَّهُ يَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْغَرْبِ وَالشَّرْقِ، بَلْ عَلَى كَافَّةِ الْخَلْقِ أَنْ يَتَّخِذُوا أَبَا حَنِيفَةَ إِمَاماً وَعَقِيْدَتَهُ دِيْناً وَقَوْلَهُ مَذْهَباً بِحَيْثُ لَا يَبْغُوْنَ عَنْهُ حِوَلًا، وَلَا يُرِيْدُوْنَ بِهِ بَدَلًا" (مقدمه كتاب التعليم، ص: ۲)

"خاص و عام کو متحقق ہونا چاہیے اور جاہل کمینوں کو یقین ہونا چاہیے کہ تمام اہلِ مغرب و مشرق پر بلکہ پوری مخلوق پر واجب ہے کہ وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اپنا امام بنائیں، ان کے عقیدے کو اپنا دین اور ان کے قول کو اپنا مذہب قرار دیں، بایں طور کہ اس سے نہ پھریں اور نہ اسے تبدیل کرنے کا کوئی ارادہ کریں۔"

یادش بخیر! اسی نوعیت کی بات امام الحرمین عبدالملک ابن الجوینی نے مغیث الخلق میں امام شافعی کی تقلید کے بارے میں کہی ہے کہ مشرق و مغرب میں تمام مکلفین پر واجب ہے کہ وہ امام شافعی کا مذہب اختیار کریں، جس کی تائید تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ (۳٤٥/۱) میں کی، مگر اس کی تردید میں علامہ کوثری نے کہا ہے:

"عَلَى أَنَّ وُجُوبَ؟ اتِّبَاعِ جَمِيْعِ الْمُكَلَّفِيْنَ شَرْقاً وَّغَرْباً لِشَخْصٍ لَا يُتَصَوَّرُ إِلَّا إِذَا كَانَ ذٰلِكَ الشَّخْصُ نَبِيّاً مُرْسَلًا، فَجَعَلَ ابْنُ الْجُوَيْنِيِّ مَا لِلرَّسُوْلِ ﷺ لِإِمَامِهِ" الخ

(إحقاق الحق، ص: ۲۱)

"مشرق و مغرب کے تمام مکلفین کے لیے ایک شخص کی اتباع کو واجب قرار دینا اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب اس شخص کو نبی رسول مانا جائے، لہٰذا ابن الجوینی نے اپنے امام کو وہ مرتبہ دے دیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے تو اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے، لہٰذا ابن الجوینی اپنے امام کے مذاہب سے خروج کرنے والے ہیں۔ نیز یہ بھی کہ تمام مسلمانوں پر ایک ہی امام کی اتباع کو واجب قرار دینا اجماع کے منافی ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ علامہ کوثری جسے ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، کیا انھوں نے مشرق و مغرب کے تمام مکلفین پر امام ابو حنیفہ کی اتباع کو واجب قرار دے کر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے پر فائز نہیں کیا؟ اور کیا امام صاحب نے اپنی تقلید سے منع نہیں فرمایا؟ تو کیا اس ''شیخ الاسلام'' نے بھی امام صاحب کے مذہب سے خروج نہیں کیا؟ اور کیا ان کا یہ دعویٰ اجماع کے منافی نہیں۔

﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ [المائدة: ٨]

موضوع حدیث سے استدلال:

علاوہ ازیں شیخ مسعود، امام صاحب کے مناقب میں یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

"وَقَالَ ﷺ: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ" (مقدمه، ص: ١٠٥)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم طلب کرو، اگرچہ وہ چین میں ہو۔''

ہمیں ان کے استدلال سے غرض نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ روایت قابلِ اعتبار بھی ہے؟ قطعاً نہیں، بلکہ موضوع اور باطل ہے۔ ابو عاتکہ طریف بن سلیمان اس کے بیان کرنے میں منفرد ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے "منكر الحديث"، امام عقیلی نے "متروك الحديث"، امام نسائی نے "ليس بثقة" اور امام ابو حاتم نے "ذاهب الحديث" کہا ہے۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے "ضعيف" کہا ہے۔ (تهذيب: ١٢/١٤١، ١٤٢) ابو عاتکہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایات ذکر کرتے ہوئے کہا ہے

کہ عموماً جو وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے، کوئی ثقہ اس کی متابعت نہیں کرتا، اور اسی سند سے وہ اس روایت کو بیان کرتا ہے۔ (الکامل: ٣٤٧/٦) امام ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سی منکر احادیث روایت کرتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات نہیں ہوتیں۔ پھر یہ حدیث بھی انھوں نے ذکر کی ہے۔ (المجروحین: ٣٧٨/١) امام عقیلی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے: ابو عاتکہ کی ہی سند سے یہ روایت منقول ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

امام مروزی فرماتے ہیں کہ امام احمد سے اس کا ذکر ہوا تو "فأنكره إنكاراً شديداً" انھوں نے اس کا سخت انکار کیا۔ (المنتخب من علل الخلال لابن قدامة، ص: ١٣٠) حافظ ابن جوزی نے اسے الموضوعات (٢١٥/١) میں ذکر کیا ہے اور امام ابن حبان سے نقل کیا ہے: "هَذَا الْحَدِيثُ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ" کہ یہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ علامہ سخاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث دو وجہ سے ضعیف ہے، بلکہ ابن حبان نے اسے باطل "لا أصل له" کہا ہے، اور ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (المقاصد الحسنة، ص: ٣٩٠، رقم: ١٢٦) المقاصد کے محقق شیخ عبدالمعطی نے فرمایا ہے کہ امام ابن حبان کا یہ کلام المجروحين (ط: الصميمي، ٤٨٩/١) میں ہے۔ طبع محمود زاید میں یہ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں امام بزار رحمہ اللہ نے بھی المسند (١٧٥/١) میں کہا ہے:

"لَا يُعْرَفُ أَبُو الْعَاتِكَةِ وَلَا يُدْرَى مِنْ أَيْنَ هُوَ فَلَيْسَ لِهَذَا الْحَدِيثِ أَصْلٌ"

جس روایت کے بارے میں متقدمین محدثین میں سے امام احمد رحمہ اللہ نے اس پر شدید انکار کیا ہو، امام ابن حبان نے "بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ" امام بزار رحمہ اللہ نے بھی

"لَيْسَ لِهَذَا الْحَدِيْثِ أَصْلٌ" ابن عدی اور عقیلی نے اسے ابو عاتکہ کی مناکیر میں شمار کیا ہو، اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہو اور ابو عاتکہ کو متروک، ذاہب الحدیث، منکر الحدیث کہا گیا ہو تو کیا یہ موضوع اور باطل نہیں ہوگی؟ اس کے برعکس یہ کہنا کہ ابو عاتکہ ترمذی کا راوی ہے اور اسے کذاب یا متہم بالکذب نہیں کہا گیا اور اس کا متابع ابو یعلیٰ وغیرہ میں ہے۔ (النکت البدیعات، ص: ٤٣) علامہ سیوطی کے اس تعاقب کا جواب علامہ ابن عراق نے دیا ہے کہ یہ کہنا کہ اس پر متہم بالکذب کی جرح نہیں، یہ درست نہیں، جیسا کہ المقدمہ میں اس کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (تنزیہ الشریعة: ٢٥٨/١) اور اس کتاب کے مقدمہ (ص: ٦٩) میں ان کے الفاظ ہیں:

"قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْكُنَى مِنَ الْمِيْزَانِ: عَدَّهُ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ السُّلَيْمَانِيُّ فِيْمَنْ عُرِفَ بِوَضْعِ الْحَدِيْثِ"

"حافظ ذہبی نے المیزان (٥٤٢/١) کی الکنیٰ میں کہا ہے: احمد بن علی السلیمانی نے اسے ان میں شمار کیا ہے جو وضع حدیث سے پہچانے جاتے ہیں۔"

اگر کہا جائے کہ حافظ ابن حجر نے تقریب (ص: ٤١٣) میں حافظ السلیمانی کے قول کو مبالغہ پر محمول کیا ہے، لیکن یہ اس لیے درست نہیں کہ حافظ ذہبی اور علامہ ابن عراق نے اس قول کو قبول کیا ہے، بلکہ حافظ ذہبی کے اس قول پر اعتماد کرتے ہوئے حافظ برہان الدین الحلبی نے اسے "الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث" (ص: ٢١٥) میں ذکر کیا ہے۔ اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول محل نظر ہے۔

رہی یہ بات کہ ابو عاتکہ کا متابع ابو یعلیٰ میں ہے تو یہ بھی صحیح نہیں، یہ روایت "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ" کے الفاظ سے ہے، "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ" سے نہیں۔ ملاحظہ ہو: مسند أبي يعلىٰ بترقيمي (٢٨٢٩، ٢٨٩٦، ٤٠٢٢) اس لیے ابو عاتکہ

طریف بن سلیمان یہ الفاظ بیان کرنے میں منفرد ہے، اس کا کوئی متابع ثابت نہیں۔
شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس پر تفصیلاً نقد کرتے ہوئے اسے ''باطل'' قرار دیا ہے۔
(الضعیفة: ٤١٦)

رہی علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور ان کے خوشہ چینوں کی یہ بات کہ ابو عاتکہ سے ترمذی نے روایت لی ہے۔ تو کیا امام ترمذی نے اس کی روایت کو صحیح یا حسن کہا ہے؟ قطعاً نہیں، بلکہ اس کی حدیث ذکر کر کے فرمایا: اس کی سند قوی نہیں، اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں اور ابو عاتکہ کی تضعیف کی گئی ہے۔

(کتاب الصوم، باب ما جاء في الکحل للصائم، رقم: ٧٢٦)

علاوہ ازیں مولانا ظفر احمد عثمانی اور شیخ ابو غدہ وغیرہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام ترمذی متساہل ہیں (قواعد علوم الحدیث، ص: ١٠٦، ١٠٧) اور وہ ضعیف حدیث کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں، بلکہ موضوع حدیث کو بھی۔ (نصب الرایة: ٤/٤١٦) لیکن یہاں تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابو عاتکہ کو اور اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تعجب ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور ان کی پیروی میں بعض دیگر حضرات نے بھی کہہ دیا ہے کہ ابو عاتکہ سے ترمذی نے روایت لی ہے۔ انصاف شرط ہے، کیا اس سے ابو عاتکہ کی توثیق ہو جاتی ہے؟

دراصل کسی راوی کے بارے میں اپنے کمزور موقف کو سہارا دینے کے لیے یہ حضرات یہ اسلوب اختیار کرتے ہیں کہ اس سے ترمذی نے روایت لی ہے یا ابن ماجہ، یا ابو داود نے روایت لی ہے، حالانکہ صریح جرح کے مقابلے میں یہ انداز محض دل بہلانے کا بہانہ ہے، اس سے اس راوی کی توثیق قطعاً نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ حضرات صرف ثقہ سے ہی روایت نہیں کرتے۔ اس لیے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ ابو عاتکہ ترمذی کا راوی ہے یا یہ کہ اس کا میں نے متابع پایا ہے، کسی کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے، وہ متابع ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ'' کے بارے میں ہے،

"اُطلُبُوا العِلمَ وَلَوُ بِالصِّينِ" کے بارے میں نہیں۔

دوسری موضوع حدیث، سراج امتی:

شیخ مسعود لکھتے ہیں:

"وَرَوَى مَطرٌ الُورَّاقُ وَنُوحُ بنُ أَبِي مَرُيَمَ وَأَبُو مُطِيعِ البَلُخِيُّ بِإِسُنَادٍ صَحِيحٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: سِرَاجُ أُمَّتِي أَبُو حَنِيفَة، قَالَهُ ثَلَاثاً" (مقدمه كتاب التعليم، ص: ١٠٦، ١٠٧)

"مطر الوراق، نوح بن ابی مریم اور ابو مطیع البلخی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے تین بار فرمایا: میری امت کا چراغ ابوحنیفہ ہیں۔"

اس بارے میں یہ فقیر کیا عرض کرے، مولانا نعمانی نے ہی اس کے حاشیہ میں اس غبارے سے ہوا نکال دی ہے کہ یہ صحیح سند سے مروی نہیں ہے، ان کے الفاظ ہیں:

"أَمَّا بِإِسُنَادٍ صَحِيحٍ فَلَا، وَجُلُّ مَا رُوِيَ فِيُ هَذَا البَابِ لَا يَخُلُو إِسُنَادُهُ عَنُ ضَعِيفٍ أَوُ مَجُهُولٍ"

"صحیح سند سے نہیں، اس باب میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس کی سند ضعیف یا مجہول راوی سے خالی نہیں۔"

"شیخ الاسلام" مسعود کے علم کی معراج دیکھیں کہ وہ اسے صحیح قرار دے رہے ہیں!!

نعمانی صاحب نے تو اسے ضعیف یا مجہول راویوں سے منقول بتلایا، جب کہ علامہ علی قاری کہتے ہیں: "موضوع باتفاق المحدثين" کہ اس کے موضوع ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔ (الموضوعات الكبير، رقم: ٤، ص: ٧٦، ط: محمد الصباغ) الموضوعات ہی میں حافظ ابن قیم کی کتاب المنار المنیف کے حوالے سے جن موضوعات کا ذکر کیا ہے، اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”وَمِنْ ذَلِكَ مَا وَضَعَهُ الْكَذَّابُوْنَ فِيْ مَنَاقِبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ عَلَى التَّنْصِيْصِ عَلَى اسْمَيْهِمَا“

(الموضوعات، ص: ٤٧٧، المنار المنيف، ص: ١١٦، رقم: ٢٤٩)

”انہی میں سے وہ احادیث جنھیں جھوٹوں نے ابو حنیفہ اور شافعی، دونوں کے نام سے مناقب میں گھڑی ہیں۔“

یاد رہے کہ المنار المنیف شیخ ابو غدہ مرحوم کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے، اور انھوں نے اس بارے میں نقد و تبصرہ نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس قسم کی تمام روایات موضوع ہیں۔

علامہ علی قاری ہی لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے بہ کثرت مناقب ان کے رفعِ مراتب کی دلیل ہے، اس لیے ان کے مناقب کے لیے:

”فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى الْاِسْتِدْلَالِ بِأَحَادِيْثَ ذَكَرَهَا الْعَلَّامَةُ الْكُرْدَرِيُّ وَغَيْرُهُ بِأَسَانِيْدَ فِيْ حَقِّهِ مِنْهَا أَبُوْ حَنِيْفَةَ سِرَاجُ أُمَّتِيْ، وَنَحْوُهُ مِمَّا قَالَ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنَ أَهْلِ الْحَدِيْثِ أَنَّهُ لَا أَصْلَ لَهُ“ (مناقب الإمام الأعظم ذيل الجواهر المضية: ٢/٤٥٣)

”ان احادیث سے استدلال کی ضرورت نہیں، جنھیں علامہ الکردری وغیرہ نے اسانید سے نقل کیا ہے، انہی میں سے یہ حدیث کہ ابو حنیفہ میری امت کے چراغ ہیں، اور اس جیسی دوسری روایات، جس کے بارے میں محدثین محققین نے فرمایا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔“

اسی طرح علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی نے بھی اس حدیث کو امام الصغانی کے حوالے سے موضوع ہونا نقل کیا ہے۔ (تذکرة الموضوعات، ص: ١١١) امام الحسن بن محمد الصغانی المتوفی ٦٥٠ھ نے ”الدرر الملتقط في تبيين الغلط“ (ص: ٤٥، رقم: ٨٠) میں

اسے ذکر کیا ہے۔ مزید دیکھیے: كشف الخفاء (۱/۳۳)، تنزيه الشريعة (۲/۳۰)، الأباطيل للجوزقاني (۱/۲۸۳)، الفوائد المجموعة (ص: ٤٢٠)، تذكرة الموضوعات (ص: ١٤٤) لابن القيسراني.

اس حوالے سے علامہ عینی رحمہ اللہ کے سہارے پر جو کچھ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے کہا، وہی چبائے ہوئے نوالے نگلنے کی کوشش مولانا نعمانی نے مقدمہ کتاب التعلیم میں کی ہے، مگر مجال ہے کہ علامہ المعلمی نے التنكيل (ص: ۲۰، ٤٤٦، ٤٤٩) میں استاذ کوثری کی جو تردید کی ہے، اس کا کوئی دفاع کیا ہو۔ امرِ واقعہ یہی ہے کہ اس کا دفاع ممکن بھی نہیں۔ اگر نعمانی صاحب نے کچھ ارشاد فرمایا ہوتا تو اس فقیر کے لیے بھی مزید وضاحت کی گنجائش نکل آتی۔ اور جو کچھ اس سے ہٹ کر انھوں نے لکھا ہے، اس کا اس روایت سے کوئی تعلق نہیں۔ محض دل بہلانے اور طول بیانی کا شوق ہے۔

علامہ کوثری رحمہ اللہ کے دفاع کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ عینی نے اسے مختلف طرق سے ذکر کر کے فرمایا ہے کہ یہ طرق بتلاتے ہیں کہ اس حدیث کی اصل ہے۔ علامہ المعلمی نے اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے، اس کا خلاصہ وہ یوں فرماتے ہیں:

"وَلَا أَدْرِي أَأَقُولُ هَذَا مَبلَغُ عِلمِ الْعَينِيِّ أَمْ مَبلَغُ تَعَصُّبِهِ"

(التنكيل: ۱/۲۸)

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں، کیا یہ عینی کا مبلغِ علم ہے یا تعصب ہے؟"

علامہ محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ کے تعصب کا اعتراف تو علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے کیا ہے کہ "لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ رَائِحَةُ التَّعَصُّبِ الْمَذْهَبِيِّ لَكَانَ أَجْوَدَ أَجْوَدَ" (الفوائد البهية، ص: ۲۰۸) اگر ان میں مذہبی تعصب کی بو نہ ہوتو بہت اچھا تھا۔ اس لیے مذہبی تعصب میں وہ اگر ان موضوع روایات کا اعتبار کرتے ہیں تو اس میں

اچنبھے کی بات نہیں، اس حوالے سے انھوں نے بہت کچھ کردار ادا کیا ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

ایک ضروری سوال:

شیخ مسعود نے فرمایا ہے:

"رَوَى مَطَرُ الْوَرَّاقُ وَنُوحُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ وَأَبُو مُطِيعٍ الْبَلْخِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ" الخ

ہم مولانا نعمانی کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں، بلکہ اس باب کی مرویات ضعیف یا مجہول راویوں سے خالی نہیں، لیکن حل طلب یہ مسئلہ بھی ہے کہ مطر الوراق اور ان حضرات نے کون سی اور کس کتاب میں اسے روایت کیا ہے؟ یا ان حضرات کی سند سے یہ روایت کس کتاب میں ہے؟ جس کی سند کو انھوں نے صحیح کہا ہے۔ افسوس کہ مولانا نعمانی اس حوالے سے بالکل خاموش ہیں، جبکہ مطر الوراق ۱۲۵ھ میں فوت ہوئے اور وہ خود صدوق کثیر الخطا ہیں۔ (تقریب، ص: ۳۳۸) نوح بن ابی مریم ۱۷۳ھ میں فوت ہوئے جن کے بارے میں حافظ ابن حجر نے کہا: "كَذَّبُوْهُ فِي الْحَدِيْثِ، وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: كَانَ يَضَعُ" (تقریب، ص: ۳۶۰) کہ محدثین نے حدیث میں اسے جھوٹا کہا ہے اور ابن مبارک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا۔ کیا اس کی بیان کی گئی سند سے حدیث صحیح ہوگی؟

رہے ابو مطیع البلخی، الحکم بن عبداللہ المتوفی ۱۹۹ھ۔ تو یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ علامہ القرشی نے الجواهر المضية (۲/۲۶۵، ۲۶۶) میں کوئی ایک کلمہ توثیق کا محدثین سے نقل نہیں کیا۔ یہی حال الفوائد البهية (ص: ۶۸) میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے ہاں ہے، بلکہ انھوں نے تو میزان الاعتدال (۱/۵۷۱) کے

حوالے سے جرح نقل کی ہے، بلکہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے عثمان بن عبداللہ الاموی کے ترجمہ (میزان: ۳/۴۱، ۴۲) میں ایک حدیث ذکر کر کے کہا ہے کہ اس کو ابو مطیع البلخی نے وضع کیا ہے۔ شائقین میزان اور لسان (۲/۲۳۴، ۲۳۵) ملاحظہ فرمائیں۔ کیا ایسے راوی کی روایت کی ہوئی حدیث صحیح ہوسکتی ہے؟

اسی "سراج أمتي أبو حنيفة" روایت کے بارے میں شیخ مسعود نے کہا ہے:

"رَوَى أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ الْقَصْرِيُّ بِإِسْنَادِهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ رَجُلٌ يُسَمَّى النُّعْمَانَ وَكُنْيَتُهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ، هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِيْ" (مقدمه كتاب التعليم، ص: ۱۰۷)

اس بارے میں مولانا نعمانی مرحوم کے حوالے سے ہی عرض ہے کہ "یہ روایت اسی سند سے خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تاریخ بغداد (۱۳/۳۳۵) میں ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ یہ موضوع ہے اور محمد بن سعید البورقی اسے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ نیز دیکھیے: اللآلئ المصنوعة (۱/۴۵۷) اور اس البورقی کذاب کے ترجمے کے لیے دیکھیے: میزان (۳/۵۶۶)، لسان (۵/۱۷۸، ۱۷۹) وغیرہ۔

مولانا نعمانی مرحوم نے اس قسم کی روایات کے بارے میں کہا ہے کہ ان احادیث کو شیخ موفق نے "المناقب" میں اور شیخ الخوارزمی نے "جامع المسانید" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر المکی رحمہ اللہ نے خیرات الحسان میں کہا ہے کہ حافظ محمد بن یوسف الشامی نے عقود الجمان میں ان کی موافقت کی ہے۔

"وَهٰذِهِ كُلُّهَا مَوْضُوْعَاتٌ لَا تُرَوَّجُ عَلَى مَنْ لَهُ أَدْنَى إِلْمَامٍ بِنَقْدِ الْحَدِيْثِ، وَقَدْ أَوْرَدَهَا ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْ "الْمَوْضُوْعَاتِ"

وَأَقَرَّهُ الذَّهَبِيُّ، وَشَيْخُنَا الْجَلَالُ السُّيُوطِيُّ فِيْ مُخْتَصَرَيْهِمَا وَالْحَافِظُ أَبُوْ الْفَضْلِ شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ لِسَانِ الْمِيْزَانِ، وَتبِعَهُمُ الْإِمَامُ الْحَافِظُ الَّذِيْ انْتَهَتْ إِلَيْهِ رِيَاسَةُ مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ زَمَنِهِ الشَّيْخُ قَاسِمُ الْحَنَفِيُّ، وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يُوْرِدْ شَيْئاً مِنْهَا أَئِمَّةُ الْحَدِيْثِ الَّذِيْنَ صَنَّفُوْا فِيْ مَنَاقِبِهِ كَالطَّحَاوِيِّ وَصَاحِبِ "طَبقَاتِ الْحَنَفِيَّةِ" مُحْيِ الدِّيْنِ الْقُرَيْشِيُّ وَآخَرِيْنَ كُلُّهُمْ حَنَفِيُّوْنَ ثِقَاتٌ أَثْبَاتٌ نُقَّادٌ لَهُمْ إِطِّلَاعٌ كَثِيْرٌ" (حاشیہ مقدمہ کتاب التعلیم، ص: ۱۰۹، ۱۱۰، رد المحتار: ۵۳/۱)

"اور یہ تمام روایات موضوع ہیں، جنھیں نقدِ حدیث سے معمولی واقفیت ہے ان کے ہاں یہ فروغ نہ پا سکیں، ابن الجوزی نے انھیں "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے اور اس کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ الذہبی اور ہمارے شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنی مختصرات میں، اور حافظ ابو الفضل شیخ الاسلام ابن حجر نے لسان المیزان میں اور انہی کی پیروی کی ہے امام حافظ قاسم حنفی نے، جن پر اپنے زمانے میں مذہبِ حنفی کی سیادت ختم ہوگئی، اسی وجہ سے ان ائمۂ حدیث نے جنھوں نے امام صاحب کے مناقب لکھے ہیں، اس قسم کی روایات کو ذکر نہیں کیا، جیسا کہ امام طحاوی اور صاحبِ طبقات حنفیہ محی الدین القرشی اور دوسرے حضرات ہیں، یہ سب ثقہ حنفی اور صاحبِ نقد ہیں، انھیں بہت سی اطلاعات حاصل ہیں۔"

اس کے بعد نعمانی صاحب نے ابن حجر مکی، علامہ علی قاری کی عبارتیں نقل کی ہیں، اس کے بعد فرمایا ہے کہ "ان کے موضوع ہونے کا دعویٰ غلط ہے، کیونکہ بعض

محدثین نے ان پر وضع کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ شیخ الحصکفی نے ''الدر المختار'' میں کہا ہے کہ ''الضیاء المعتوی'' میں ہے کہ ابن جوزی کا اسے موضوع کہنا تعصب پر مبنی ہے، کیوں کہ یہ مختلف اسانید سے منقول ہے۔ نعمانی صاحب نے اس کے بعد شیخ الحصکفی اور شیخ ابو البقاء محمد بن احمد بن محمد العمری المکی الحنفی، ابن الضیاء کی تعریف نقل کی ہے کہ لیجیے ان ''محدثین'' نے اختلاف کیا ہے، پھر اس کے بعد رد المختار سے طاش کبریٰ زادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس روایت کا اصل ہے۔

عرض ہے کہ شیخ الحصکفی ہوں یا دیگر حضرات یہ سب حنفی حضرات ہیں۔ طاش کبریٰ زادہ کے بارے میں پہلے بات گزر چکی ہیں۔ ان تینوں حضرات کی یہ بات علامہ ابن عابدین شامی نے بھی نقل کی ہے، مگر داد دیجیے شیخ نعمانی صاحب کو کہ علامہ ابن عابدین نے یہ سب کچھ نقل کر کے جو اس کی تردید کی ہے اور ''وَلَكِنْ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ'' (لیکن بعض علماء نے کہا ہے) کہہ کے شیخ محمد بن یوسف الشامی سے عقود الجمان کی وہ ساری عبارت ان کی تردید میں نقل کی، جسے خود شیخ نعمانی مرحوم نے نقل کیا ہے، جیسا کہ اوپر ہم نقل کر آئے ہیں۔ کیا اس تردید کے بعد ان حضرات کے کلام سے سہارا ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کا مصداق نہیں؟ بلکہ علامہ ابن عابدین نے حدیث ''لو كان الإيمان عند الثريا'' کو امام صاحب کے مناقب میں شمار کرتے ہوئے آخر میں یہ بھی نقل کیا ہے:

''وَبِهِ يُسْتَغْنَى عَمَّا ذَكَرَهُ أَصْحَابُ الْمَنَاقِبِ مِمَّنْ لَيْسَ لَهُ دِرَايَةٌ فِي عِلْمِ الْحَدِيثِ فَإِنَّ فِي سَنَدِهِ كَذَّابِيْنَ وَوَضَّاعِيْنَ''

''اسی سے ان احادیث سے مستغنی ہو جاتا ہے جنھیں اصحابِ مناقب نے ذکر کیا ہے، جنھیں علمِ حدیث میں درایت حاصل نہیں، کیوں کہ اس کی سند

میں کذاب و وضاع راوی ہیں۔''

لیجیے جناب! جن حضرات کے مناقب و محامد نعمانی صاحب ذکر کر کے اس حدیث کے بالاتفاق موضوع ہونے کو مختلف فیہ بنا رہے ہیں، علامہ ابن عابدین نقل کرتے ہیں کہ ان ''اصحابِ مناقب'' کو علمِ حدیث میں ''مہارت'' حاصل نہیں۔ یہ بات اس فقیر نے یا کسی اور اہلِ حدیث عالم نے کہی ہوتی تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا اور توبہ توبہ کی دہائی دی جاتی، مگر اس کے ناقل تو شیخ ابن عابدین ہیں اور یہ کلام دراصل شیخ محمد الشامی کا ''عقود الجمان'' میں ہے جسے ابن حجر مکی نے بھی نقل کیا ہے اور ان کے کلام کی موافقت بھی کی ہے، بلکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی تبییض الصحیفة (ص: ۲۰) میں یہی کہا ہے کہ ''یہ حدیث، موضوع حدیث سے مستغنی کر دیتی ہے۔'' اس لیے شیخ نعمانی مرحوم کی یہ ساری کارروائی محض دل کا بوجھ کم کرنے کا ایک بہانہ ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ فارسی تھے؟ غور طلب بات:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ ''لَوْ كَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسٍ'' اس میں ''ابنائے فارس'' کے لیے بشارت ہے۔ ''ابن فارس'' کی نہیں۔ البتہ صحیح بخاری (۴۸۹۷) میں ''رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ'' کے الفاظ ہیں اور یہ شک سلیمان بن بلال سے ہے، جب کہ دوسرے راوی بلاشک ''رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ'' ہی کہتے ہیں، جیسا کہ اس کے بعد خود امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت فتح الباری (۶۱۲/۸) میں کر دی ہے۔ اور ''ھولآء'' کا اشارہ حضرت سلمان فارسی کی طرف تھا جو پاس بیٹھے تھے۔ امام ابونعیم نے اخبار اصبہان میں اس کے طرق تفصیل سے ذکر کیے ہیں اور ان میں ایک حدیث کے الفاظ یہ بھی ہیں:

”وَيَتَّبِعُوْنَ سُنَّتِي وَيُكْثِرُوْنَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ“

”وہ میری سنت کی اتباع کریں گے اور مجھ پر بہ کثرت درود شریف پڑھیں گے۔“

ان الفاظ کا مصداق تو محدثین کرام ہی ہیں، چنانچہ علامہ القرطبی نے فرمایا ہے:

”وَقَعَ مَا قَالَهُ ﷺ عَيَاناً، فَإِنَّهُ وُجِدَ مِنْهُمْ مَنِ اشْتَهَرَ ذِكْرُهُ مِنْ حُفَّاظِ الْآثَارِ وَالْعِنَايَةِ بِهَا، مَا لَمْ يُشَارِكْهُمْ فِيْهِ كَثِيْرٌ مِنْ أَحَدٍ غَيْرِهِمْ“ (فتح الباري: ٦٤٣/٨)

”جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ ظاہراً واقع ہوا ہے، بے شک ان میں ایسے حضرات پائے جاتے ہیں جن کا ذکر حفاظِ آثار اور ان کا اہتمام کرنے والوں میں مشہور ہے، ان کے علاوہ دوسرے بہت سے حضرات اس میں ان کے شریک نہیں ہیں۔“

گویا اس حدیث کا مصداق حفاظِ حدیث ہیں، انھی کے ہاں درود شریف کی کثرت ہے، جیسا کہ امام ابن حبان اور علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: الإحسان (١٣٣/٢)، القول البديع (ص: ١٤٠) اس لیے اس کا مصداق صرف امام صاحب کو قرار دینا محلِ نظر ہے۔ مزید یہ کہ ان کا فارسی النسل ہونا بجائے خود بحث طلب ہے۔

ان کے فارسی النسل ہونے کا قول اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے منقول ہے۔ (تبييض الصحيفة، ص: ١٨، تاريخ بغداد: ٣٢٦/١٣) اور وہ ضعیف ہے۔ (میزان: ٢٢٦/١، لسان: ٣٩٨/١، ٣٩٩ وغیرہ) بلکہ بعض نے انھیں تیمی کہا ہے۔ (تاريخ بغداد ٣٢٤/١٣، الانتقاء، ص: ١٩١، فضائل لابن أبي عوام، ص: ٤٠، تهذيب الكمال: ١٠٤/١٩، تهذيب الأسماء: ٢١٦/٢ وغيره)

امام صاحب کے دادا کا نام ''زوطی'' تھا اور وہ کابل میں رہتے تھے۔ کابل بہر حال فارس نہیں۔ (تاریخ بغداد: ۳/۳۲٤، ۳۲۵ وغیرہ)

یہ اختلاف علامہ شبلی رحمہ اللہ نے بھی سیرۃ النعمان میں ذکر کیا ہے، بلکہ شیخ قاسمی نے الموسوعہ کی جلد دوم کی ابتدا میں امام صاحب کا نسب مختلف کتب سے نقل کیا ہے جس میں سخت اختلاف، حتی کہ الکفوی کی ''اخبار الاخیار'' سے نقل کیا ہے کہ ان کے عربی ہونے کا احتمال ہے اور ابو مطیع بلخی نے کہا ہے کہ وہ قبیلۂ انصار کے عرب تھے۔ (الموسوعة، ص: ٤) اس لیے قطعی طور پر انھیں فارسی کہنا محلِ نظر ہے۔

شیخ نعمانی کی ایک اور ناانصافی:

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام صاحب کے مناقب میں یہ روایت بھی ذکر کی ہے:

''سَيَأْتِي مِنْ بَعْدِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ النُّعْمَانُ بْنَ ثَابِتٍ وَيُكَنَّى أَبَا حَنِيفَةَ لِيُحْيِي دِيْنَ اللّٰهِ وَسُنَّتِي عَلَى يَدَيْهِ'' (تاریخ بغداد: ۲/۲۸۹)

''میرے بعد ایک شخص ہوگا جسے نعمان بن ثابت کہا جائے گا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی، وہ اپنے ہاتھوں سے اللہ کا دین اور میری سنت زندہ کرے گا۔''

خطیب نے کہا ہے کہ یہ روایت میں نے اسی سند سے لکھی ہے اور یہ روایت باطل موضوع ہے۔ محمد بن یزید متروک الحدیث ہے، سلیمان بن قیس اور ابو المعلی دونوں مجہول ہیں، اور ابان بن ابی عیاش کی طرف جھوٹ کی نسبت کی گئی ہے۔ یہی روایت موفق مکی نے المناقب (۱/۱۳) میں خطیب کے حوالے سے نقل کی ہے، مگر خطیب نے جو اسے ''باطل موضوع'' کہا وہ ''صدر الائمہ'' موفق مکی کی دیانت کی بھینٹ چڑھ

گیا ہے۔ فاعتبروا یا أولي الأبصار!

اس روایت کو علامہ سیوطی نے اللآلئ المصنوعة (۴۵۸/۱) میں، ابن جوزی نے الموضوعات (۴۹/۲) میں، ابن عراق نے تنزیہ الشریعة (۳۰/۲) میں، العجلونی نے کشف الخفاء (۳۳/۱، رقم: ۵۳) میں ذکر کیا ہے اور اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ نیز دیکھیے: میزان (۶۶/۴)، لسان (۴۲۹/۵).

مگر نعمانی صاحب نے اپنے روایتی تحقیقی انداز کے مطابق فرمایا ہے کہ ابان بن ابی عیاش ابو داود کا راوی ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ امید ہے کہ وہ عمداً جھوٹ نہیں بولتا، عموماً اس میں جو جھوٹی روایات مروی ہیں، وہ اس سے روایت کرنے والے راویوں کی وجہ سے ہیں اور ابن حبان نے کہا ہے: وہ عبادت گزار تھا۔ اور محمد بن یزید کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (مقدمہ کتاب التعلیم، ص: ۱۰۹)

مگر مجال ہے کہ سلیمان بن قیس اور اس کے استاد ابو المعلی بن المہاجر نے جو ابان سے روایت کرتا ہے، اس کے بارے میں کچھ کہا ہو۔ یہ استاد شاگرد دونوں مجہول ہیں۔ رہا ابان بن ابی عیاش تو امام ابو داود رحمہ اللہ نے اس سے مقروناً روایت لی ہے (أبو داود: ۴۲۹، تهذیب: ۲۵۹/۱، ط: جمعیة دار البر) اس لیے یہ سہارا کہ ابو داود نے اس سے روایت لی ہے، بے کار ہے۔ بلکہ امام ابو داود رحمہ اللہ نے تو صراحتاً فرمایا ہے: ”لا یکتب حدیثه“ (تهذیب وغیره) اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ رہا ابن عدی رحمہ اللہ کا قول تو اس کے نقل کرنے میں بھی نعمانی مرحوم نے گھپلا کیا ہے، امام ابن عدی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

”عَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ، وَهُوَ بَيِّنُ الْأَمْرِ فِي الضُّعْفِ، وَأَرْجُوا أَنَّهُ لَا يَتَعَمَّدُ الْكَذِبَ، إِلَّا أَنَّهُ يُشَبَّهُ عَلَيْهِ وَيَغْلَطُ،

وَهُوَ إِلَى الضُّعفِ أَقْرَبُ مِنْهُ إِلَى الصِّدْقِ كَمَا قَالَ شُعْبَةُ“

(تہذیب: ۱/ ۲۵۸)

”عموماً جو وہ روایت کرتا ہے اس کی متابعت نہیں کی گئی، ضعف میں اس کا معاملہ واضح ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ قصداً جھوٹ نہیں بیان کرتا، مگر اس پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ غلطی کر لیتا ہے، صدق کے بجائے ضعف کے وہ زیادہ قریب ہے جیسا کہ امام شعبہ نے کہا ہے۔“

گویا امام ابن عدی کا رجحان یہ ہے کہ وہ عمداً جھوٹ بیان نہیں کرتا، غلطی سے وہ ایسی روایات بیان کر دیتا ہے اور وہ صدق کے بجائے ضعف کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے ابان کے ضعف کا رجحان ان کے نزدیک راجح ہے، بالخصوص جو انھوں نے فرمایا: جیسا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اور امام شعبہ رحمہ اللہ سے انھوں نے مختلف اقوال نقل کیے:

① ”إِنَّ أَبَانَ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ“ بے شک ابان جھوٹ بولتا ہے۔

② ستر عورتوں سے زنا گوارا ہے اس سے کہ میں ابان سے روایت کروں۔

③ گدھے کا پیشاب پینا گوارا ہے چہ جائیکہ میں کہوں: ”حَدَّثَنَا أَبَانُ“ کہ مجھے ابان نے حدیث بیان کی۔

④ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ امام شعبہ ابان کے بارے میں ”سَيِّءُ الرَّأْيِ“ بری رائے رکھتے تھے۔ ابو احمد الحاکم نے کہا ہے: ”تَرَكَهُ شُعْبَةُ“ کہ شعبہ نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ (الکامل: ۲/ ۲۲۸، ۲۷۰، ط: مکتبۃ الرشد، تہذیب: ۱/ ۲۶۰)

امام شعبہ بلاشبہہ جرح میں متشدد تھے، مگر یہاں تو ابن عدی نے ان کی موافقت کی ہے۔

افسوس امام ابن حبان رحمہ اللہ کا کلام بھی نعمانی صاحب نے مکمل نقل نہیں کیا، ان کے الفاظ ہیں:

"كَانَ مِنَ الْعُبَّادِ، سَمِعَ مِنْ أَنَسٍ أَحَادِيْثَ، وَجَالَسَ الْحَسَنَ، فَكَانَ يَسْمَعُ كَلَامَهُ فَإِذَا حَدَّثَ بِهِ جَعَلَ كَلَامَ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوعاً، وَهُوَ لَا يَعْلَمُ، وَلَعَلَّهُ حَدَّثَ عَنْ أَنَسٍ بِأَكْثَرَ مِنْ أَلْفٍ وَخُمسِ مِائَةِ حَدِيْثٍ، مَا لِكَبِيْرِ شَيْءٍ مِنْهَا أَصْلٌ" (تهذيب، المجروحين: ٩٦/١)

''وہ بڑے عبادت گزاروں میں سے تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کئی احادیث سنیں، حسن بصری کی مجلس میں بیٹھا، وہ ان کا کلام سنتا جب اسے بیان کرتا تو حسن کا کلام حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کر دیتا اور اسے معلوم نہ ہوتا (کہ کیا ہوا ہے) شاید ۱۵۰۰ سے اکثر اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایات بیان کیں جن میں سے اکثر کا کوئی اصل نہیں۔''

لیجیے جناب! ''عبادت گزار'' کی یہ سادہ لوحی دیکھیں اور بتائیں کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کا ادھورا کلام نقل کر کے نعمانی صاحب نے انصاف کیا ہے؟

''ابان'' کی صالحیت کا اقرار کرتے ہوئے امام فلاس نے اسے ''متروک الحدیث'' کہا ہے۔ (تهذيب)

علاوہ ازیں ابان بن ابی عیاش کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اور جو دفاع کیا گیا ہے اس کی تفصیل "إعلاء السنن في الميزان" (ص: ۱۰۲، ۱۰۶) میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے یہاں صرف نعمانی صاحب کے حوالے سے بات کی ہے البتہ آخر میں یہ وضاحت مناسب ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب (ص: ۱۸) میں تو کہا

ہے کہ وہ متروک ہے اور "اتحاف المھرہ" (١٤/١٠) میں کہا ہے: "متروك باتفاق" کہ وہ بالاتفاق متروک ہے۔ اور یہ اس لیے کہ کبار محدثین مثلاً: امام احمد، یحییٰ بن معین، نسائی، فلاس، دارقطنی، ابن سعد رحمہم اللہ وغیرہم نے اسے متروک کہا ہے۔

رہی بات محمد بن یزید کی کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا امام ابن حبان کے علاوہ کسی اور محدث نے بھی اس کی توثیق کی ہے؟ ہرگز نہیں۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے بلاشبہہ الثقات (١١٥/٩) میں اسے ذکر کیا ہے اور "ربما أخطأ" کہا ہے، جب کہ ابن عدی نے کہا ہے: "يسرق الحديث يزيد فيه ويضع" خطیب بغدادی نے متروک کہا ہے۔ (الکامل: ٤٠٥/٩، میزان: ٦٦/٤، لسان: ٤٢٩/٥)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ: يَضَعُ الْحَدِيثَ. قُلْتُ: وَضَعَ فِي فَضْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ طَرُسُوسِيٌّ" (المغني: ٦٤٣/٢، نیز ديوان الضعفاء، ص: ٢٩٢)

"ابن عدی نے کہا ہے: وہ حدیث وضع کرتا تھا، میں (یعنی ذہبی) کہتا ہوں: اس نے فضائل ابی حنیفہ میں حدیث وضع کی ہے۔"

علامہ الحلبی اور علامہ ابن عراق نے بھی اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔

(الكشف الحثيث، ص: ٤١٤، تنزيه الشريعة: ١١٦/١)

یاد رہے کہ علامہ الحلبی رحمہ اللہ نے امام ابن حبان رحمہ اللہ کی توثیق ذکر کرنے کے باوجود اسے وضاعین ہی میں شمار کیا ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس جرح کے بعد تنہا امام ابن حبان رحمہ اللہ کی توثیق کی پوزیشن کیا ہے؟ ابن حبان کیا خود مولانا نعمانی معترف ہیں کہ جمہور کے خلاف تنہا امام ابن معین کی توثیق یا جرح قابلِ قبول نہیں۔

(حاشیہ مقدمہ کتاب التعلیم، ص: ٣٤٤، بحوالہ رسالة في الرواة الثقات المتكلم فيهم بما لا يوجب ردهم للذهبي، ص: ٢٩)

تو تنہا ابن حبان کی توثیق کیوں کر قابلِ اعتماد ہے؟ اس حوالے سے لسان المیزان میں ان راویوں کے تراجم ملاحظہ ہوں: عبدالعظیم بن حبیب، عبدالوہاب بن ہشام، حامد بن آدم المروزی۔

ایک ضروری وضاحت:

خطیب بغدادی نے زیرِ بحث روایت محمد بن حامد کے ترجمہ میں ذکر کی ہے اور راوی کا نام ''محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی'' ذکر کیا ہے جو سلیمان بن قیس عن ابی المعلی بن المہاجر عن ابان کی سند سے ہے۔ (تاریخ بغداد: ٢٨٩/٢) اسی سند سے یہ ''الموضوعات لابن الجوزي'' (٤٩/٢) اور اللآلیٔ (٤٥٨/١) میں ہے، البتہ مطبوعہ نسخہ میں ''محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی'' کا واسطہ گرا ہوا ہے۔ اسی طرح دیگر مراجع میں بھی محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی ہے۔ مگر حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ روایت محمد بن یزید المستملی ابوبکر الطرسوی کے ترجمہ میں ذکر کی ہے اور کہا ہے: ''وفي تاريخ الخطيب له'' کہ تاریخ خطیب میں اس کے ترجمے میں یہ روایت ہے۔ (میزان: ٦٦/٤) اور یہ بھی کہا ہے کہ النیسابوری نہیں ہے۔ اور ''تلخيص الموضوعات'' (ص: ٢١٧) میں کہا ہے: ''فِيْ تَارِيْخِ بَغْدَادَ مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيْدَ الْمُسْتَمْلِيِّ'' کہ تاریخ بغداد میں محمد بن یزید المستملی سے روایت ہے۔ اسی طرح ''المغني'' (٦٤٣/٢) میں ہے کہ محمد بن یزید الطرسوی نے یہ حدیث گھڑی ہے۔

جب کہ حافظ عراقی نے یہی روایت ''ذيل الميزان'' (ص: ٤١٦) میں ذکر کی ہے اور اسے ''محمد بن يزيد بن عبدالله النيسابوري'' کے ترجمے میں نقل کیا اور خطیب بغدادی کی جرح نقل کی کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ایک حدیث پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''مُحَمَّدُ بْنُ

يَزِيُدَ السُّلَمِيُّ يَضَعُ الُحَدِيُثَ" (ذيل اللآلیء، رقم: ٦٩٥) امام دارقطنی نے بھی محمد بن یزید السلمی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: ترجمه إبراهيم بن زيد الأسلمي، لسان: ٦٢/١، ذيل الميزان، ص: ٦٣)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلے تو محمد بن یزید المستملی کے ترجمہ میں بحوالہ خطیب یہ روایت نقل کی اور راوی کا نام محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی ہی ذکر کیا ہے، جب کہ اس کے بعد ذیل المیزان کے حوالے سے محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی کا ذکر کیا، پھر یہ فرمایا: "وَهُوَ الَّذِيُ قَبُلَهُ، وَهُوَ عَلَى الُاِحُتِمَالِ" احتمال ہے کہ وہ وہی پہلا راوی ہے، یعنی محمد بن یزید المستملی ہی ہے۔ جب کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان دونوں راویوں کے مابین فرق کیا ہے۔ محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی کو "المغني" (٦٤٣/٢) میں مقبول کہا، جب کہ دوسرے راوی محمد بن یزید المستملی الطرسوسی پر جرح نقل کی ہے اور محمد بن یزید السلمی کو میزان میں ذکر ہی نہیں کیا۔ تاریخ اسلام (ص: ٣٤٥، ٣٤٦، حوادث: ٢٥١، ٢٦٠ھ) میں بھی دونوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے اور السلمی کے بارے میں لکھا ہے: "الفقيه محمش" نیشاپور میں جیسے امام محمد بن یحییٰ الذہلی اہلِ حدیث کے امام تھے، ان کے مقابلے میں یہ حنفیہ کے شیخ تھے، ان کا اسی طرح کا ترجمہ علامہ قرشی نے "الجواهر المضية" (١٤٤/٢) میں بھی دیا۔ بلکہ ان سے پہلے حافظ ابن حبان نے بھی دونوں کے مابین فرق کیا اور دونوں کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو الثقات: ١١٥/٩، ١٤٥) اور السلمی کے بارے میں کہا: "وَكَانَتُ فِيهِ دَعَابَةٌ" کہ اس میں خوش طبعی پائی جاتی تھی۔ جو اس بات کا قرینہ ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ ان سے آگاہ تھے۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ المیزان میں محمد بن یزید المستملی کے ترجمے میں یہ حدیث لکھنے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ سے تسامح ہوا اور نقل در نقل ہوتا رہا۔ جب کہ یہ

راوی محمد بن یزید السلمی ہے۔ واللہ اعلم

محمد بن یزید السلمی کے بارے میں خطیب نے متروک الحدیث کہا اور حافظ عراقی وغیرہ نے اس جرح کا اعتبار کیا ہے، لیکن امام ابن حبان اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ثقہ و صدوق کہا ہے، جیسا کہ اوپر ہم نے نقل کیا ہے، اس لیے اس میں اصل نقد محمد بن یزید السلمی کے استاد اور آگے اس کے استاد پر ہے جو دونوں مجہول ہیں۔ اور مجاہیل کی ایسی روایت بھی موضوع ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صالح بن الصباح بغدادی کے ترجمہ میں ایک روایت: ''مَنْ صَلَّى سُبْحَةَ الضُّحى الخ'' ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''هَذَا خَبَرٌ كَذِبٌ مُخْتَلَقٌ وَإِسْنَادُهُ مَجْهُولٌ مُظْلَمٌ .... وَكَانَ الْبَلَاءُ فِيهِ مِمَّنْ فَوْقَ آدَمَ مِنَ الْمَجَاهِيلِ'' (لسان: ۳/۱۷۰، ۱۷۱)

''یہ خبر جھوٹی گھڑی ہوئی ہے اس کی سند مجہول و مظلم ہے .... اس میں مصیبت آدم بن ابی ایاس سے اوپر مجہول راویوں کی ہے۔''

اسی حقیقت کا اعتراف علامہ سیوطی نے ''ذیل اللآلیء'' (ص: ۱۱۲ ط باکستان، ص: ۲۹۵، ۲۹۶ ط دار ابن حزم) میں کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی زیرِ بحث روایت کے راوی سلیمان بن قیس کے ترجمے میں کہا ہے:

''عَنْ أَبِي الْمُعَلَّى بْنِ الْمُهَاجِرِ، بِخَبَرٍ مَوْضُوعٍ وَعَنْهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ السُّلَمِيُّ قَالَ الْخَطِيبُ: هُوَ وَشَيْخُهُ مَجْهُولَانِ'' (لسان: ۳/۱۰۱)

''سلیمان نے ابو المعلی سے موضوع روایت بیان کی ہے اور سلیمان سے روایت کرنے والے محمد بن عبداللہ بن یزید السلمی ہیں، خطیب نے کہا ہے سلیمان اور اس کا استاد دونوں مجہول ہیں۔''

یاد رہے لسان کے مطبوعہ نسخے میں اسی طرح محمد بن عبداللہ بن یزید السلمی ہے اور جو نسخہ شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ کی تحقیق سے شائع ہوا ہے اس میں بھی اسی طرح محمد بن عبداللہ بن یزید السلمی ہی ہے۔ (دیکھیں: لسان: ٤/١٦٤، رقم: ٣٦٣٧) مگر صحیح محمد بن یزید بن عبداللہ السلمی ہے۔

خلاصہ کلام کہ اس روایت کو خطیب بغدادی، حافظ ابن جوزی، حافظ ابن قیم، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی وغیرہ نے باطل اور موضوع قرار دیا ہے۔

القفال المروزی کب فوت ہوئے؟

شیخ مسعود نے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر عبداللہ بن احمد بن عبداللہ بن القفال المروزی "مَاتَ سَنَةَ تِسْعٍ وَّ سِتِّيْنَ أَوْ إِحْدَى وَسَبْعِيْنَ وَثَلَاثِ مِائَةٍ" ۳۷۱ھ یا ۳۶۹ھ میں فوت ہوئے۔ (مقدمه کتاب التعلیم، ص: ۲۸۱، ۲۸۲) حالانکہ وہ ۴۱۷ھ میں فوت ہوئے، جیسا وفیات الأعیان (٣/٤٦)، تاریخ إسلام للذهبي (٢٨/٤٢٢)، سیر (١٧/٤٠٥)، طبقات الشافعیه (٣/١٩٣) وغیرہ کتب میں ہے۔ شیخ مسعود کے اس تسامح کا ذکر مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول منقبت میں:

شیخ مسعود نے ایک قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امام صاحب کی منقبت میں یہ ذکر کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"سَيَكُوْنُ أَوْ سَيَخْرُجُ مِنْ قَرْيَتِكُمْ هَذِهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ النُّعْمَانَ يَمْلَأُ الْأَرْضَ عِلْماً" (مقدمه، ص: ١١٦)

"عنقریب تمھاری اس بستی میں ایک آدمی ہو گا جسے نعمان کہا جائے گا وہ زمین کو علم سے بھر دے گا۔"

جب کہ یہ اثر بالکل بے اصل ہے مولانا نعمانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"فِيْ مَنَاقِبِ "اَلْخَوَارِزمِيَّةِ" بِإِسْنَادٍ مُظْلِمٍ مَا يَشْهَدُ لَهُ"

(حاشیہ مقدمہ، ص: ۱۱۶)

"مناقبِ "الخوارزمیہ" میں ایک مظلم سند سے اس کا شاہد ہے۔"

گویا شاہد بھی بے اصل اور "اصل" بھی بے اصل جسے شیخ مسعود نے نقل کیا ہے اور مناقب الخوارزمیہ، یہ "صدر الائمہ" موفق المکی کی المناقب ہے جس (۱۸/۱) میں یہ "سند مظلم" سے منقول ہے۔ اس مناقب کی روایات اکثر اسی نوعیت کی ہیں۔ اسی طرح کا بے اصل قصہ اس میں (ص: ۱۱۸) پر بھی منقول ہے جس کے بارے میں نعمانی صاحب نے علامہ کوثری کے حوالے سے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ "لَا يُتَابَعُ عَلَيْهَا" اس کی متابعت نہیں کی گئی۔ لیکن یہ بھی کیا خوبصورت بات ہے، اصل قصہ کی پوزیشن کیا ہے جناب! پہلے اس سے آگاہ فرمایئے پھر عدمِ متابعت کی بات کیجیے۔

یہ اور اسی نوعیت کے بے اصل اور من گھڑت مناقب سے یہ کتاب مزین ہے۔ پوری کتاب کا جائزہ ہمارا موضوع نہیں، مقصد صرف یہ تھا کہ شیخ مسعود خود مجہول ہیں اور اپنی کتاب میں متعدد لایعنی مناقب ذکر کرتے ہیں اور امام شافعی کی تنقیص ان کا مشغلہ معلوم ہوتا ہے اور امام صاحب کی تقلید میں بے حد غلو کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

مامون کا مسلک:

خلفائے بنو عباس، جنھیں شیخ مسعود نے اپنے "خلفائے راشدین مہدیین" میں شمار کیا ہے، اس کے بارے میں علامہ محمد بن احمد السفارینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنَّهُ كَانَ رَافِضِيًّا مُعْتَزِلِيًّا قَدَرِيًّا فَهُوَ خَبِيْثُ الْاِعْتِقَادِ، كَبِيْرُ الْفَسَادِ وَالْعِنَادِ وَفِيْ سَنَةِ مِائَتَيْنِ وَإِحْدَى عَشَرَ أَمَرَ أَنْ يُّنَادَى:

بَرِئَتِ الذِّمَّةُ مِمَّنَ ذَكَرَ مُعَاوِيَةَ (رضی اللہ عنہ) بِخَيْرٍ فَإِنَّ أَفْضَلَ الْخُلَفَاءِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ"

(لوامع الأنوار البهية: ١/٨، ٩، نيز: ٢/٤١٨)

"یعنی وہ رافضی معتزلی قدری تھا اس کا اعتقاد خبیث تھا، بہت فسادی اور عناد رکھنے والا۔ ۲۱۱ھ میں اس نے حکم دیا کہ یہ اعلان کیا جائے کہ میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا ذکر بھلائی سے کرنے سے براءت کا اظہار کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل علی رضی اللہ عنہ ہیں۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے:

"قَدْ كَانَ فِيهِ تَشَيُّعٌ وَاعْتِزَالٌ وَجَهْلٌ بِالسُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ"

(البداية: ١١/٦٤ ط دار ابن كثير)

اس میں تشیع، اعتزال پایا جاتا تھا اور وہ سنتِ صحیحہ سے جاہل تھا۔"

اس کے استاد بشر مریسی جہمی نے اس کی مدح میں اشعار کہے جب اس نے شیعیت و اعتزال کا اظہار کیا اور اس کی تائید کی۔ اس نے وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ پڑھانے والا پانچ تکبیروں سے جنازہ پڑھائے۔ اس کے اس معتزلی اور شیعیت کے عقیدہ کا تمام مورخین نے ذکر کیا ہے۔ یہ ہے جناب شیخ مسعود کا "خلیفۂ راشد"۔ إنا للہ وإنا إلیه راجعون۔ بلاشبہ مامون میں کچھ خوبیاں بھی تھیں، کتبِ فلاسفہ و یونان کو اسی نے ہوا دی تھی، مگر اس کے عقیدہ کی بنیاد کیا تھی یہی اصل مسئلہ ہے۔ خلقِ قرآن کے فتنے اور عقیدے کا بیج اسی نے بویا تھا۔

المعتصم اور واثق:

شیخ مسعود کے "خلفائے راشدین مہدیین" میں ایک المعتصم بھی تھا۔ خلیفہ ہونے کے ناتے اس میں بعض بھلائیاں بھی تھیں۔ علم سے شناسا اور تن و من نہایت

مضبوط تھا، لیکن یہ وہی ذات شریف ہے جس نے اپنے باپ مامون کے پھیلائے ہوئے معتزلی وجہمی بدعی عقیدہ خلقِ قرآن کو پروان چڑھایا اور اپنے زیرِ اثر تمام بلاد میں تعلیم دینے والوں کو لکھا کہ وہ شاگردوں کو خلقِ قران کی تعلیم دیں۔ کثیر تعداد میں اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو شہید کروایا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی اسی عقیدے کی مخالفت میں سخت سزا دی گئی جس کی دلدوز داستان تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

یہی پوزیشن اس کے بیٹے واثق کی تھی، وہ بھی پہلے اپنے باپ دادا کے عقیدے پر معتزلی وجہمی تھا۔ الروم سے ۱۶۰۰ مسلمان قید کر کے لائے گئے۔ احمد بن ابی دؤاد جہمی نے واثق سے کہا: ان میں جو خلقِ قرآن کا قائل ہو اسے چھوڑ دیا جائے اور جو انکار کرے اسے بدستور قید میں رکھا جائے۔ امام احمد بن نصر الخزاعی کا سر اسی ظالم نے اپنے ہاتھ سے قلم کیا۔ ان کا سر عبرت کے لیے بغداد بھجوا دیا اور بغداد کے پل پر لٹکا دیا گیا اور ان کا جسم مبارک ''سامرا'' میں صلیب پر لٹکا دیا اور بغداد میں اعلان کروایا کہ یہ (امام احمد بن نصر) کافر مشرک گمراہ کا سر ہے، اس پر حجت قائم کی گئی کہ توبہ کر لو، خلقِ قرآن کو تسلیم کرو اور اللہ کے بارے میں تشبیہ (یعنی اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے وغیرہ صفات کا اقرار کرنے والوں کو جہمی مشبہ کہتے تھے) سے توبہ کرو، مگر اس نے توبہ نہ کی۔ اللہ کا شکر کہ یہ کافر جہنم میں، عذابِ الیم میں جلد پہنچ گیا۔ جب کہ ان کے سر سے سورت یٰسین پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ ساری تفصیل تہذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء، تاریخ بغداد، البدایۃ والنہایۃ، تاریخ الخلفاء اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''وَكَانَ الْوَاثِقُ هَارُوْنُ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ فِي الْقَوْلِ بِخَلْقِ الْقُرْآنِ، يَدْعُوْا إِلَيْهِ لَيْلًا وَّنَهَاراً اِعْتِمَاداً عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ

أَبُوهُ الْمُعْتَصِمُ الخ“ (البداية: ١١/١١٩)

”اور واثق ہارون سب سے زیادہ خلقِ قرآن میں متشدد تھا اور دن رات اس کی دعوت دیتا تھا اپنے باپ معتصم پر اعتماد کرتے ہوئے۔ اور کہا گیا ہے کہ آخری عمر میں اس نے اپنے اس عقیدۂ بد سے توبہ کر لی تھی۔“ واللہ اعلم

لیجیے جناب! یہ ہیں شیخ مسعود کے خلفائے راشدین مہدیین جو معتزلی جہمی تھے اور ان کے استاد بشر مریسی اور احمد بن ابی دؤاد وغیرہ جہمی تھے۔ امام احمد اور دیگر ان کے ہم نوا ان تینوں کے ہاتھوں تختۂ مشق بنے رہے۔

حنفی مذہب پھیلنے کا سبب:

بشر مریسی قاضی ابو یوسف کا شاگرد تھا۔ مگر جہمی معتزلی عقیدے پر تھا اور قاضی ابو یوسف اس کے عقیدے کی مذمت کرتے تھے۔ (الجواهر المضية: ١/١٦٤) قاضی صاحب خلیفہ بنو عباس المہدی، الہادی اور الرشید کے دور میں عہدۂ قضا پر رہے۔ (الجواهر) ان کے اس طویل دور میں جہاں کہیں کوئی قاضی مقرر ہوتا وہ حنفی مقرر کیا جاتا جس کی بنا پر خلفائے بنو عباس کے دور میں حنفی مذہب خوب پھلا پھولا۔ جس کا اظہار شیخ مسعود نے مقدمہ کتاب التعلیم (ص: ٣٤٧، ٣٤٨) میں اور علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اور دیگر علمائے احناف نے کیا ہے۔ بلکہ قاضی ابو یوسف نے امام محمد سے فرمایا: عراق میں تو ہمارا مذہب پھلا پھولا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مصر میں بھی ہمارے مذہب کا ظہور ہو۔ لہٰذا تم مصر کے قاضی بن جاؤ۔ (شرح السير الكبير، ١/٣، ٤) اس کی اصل کہانی کیا ہے؟ علامہ کوثری کو اس بارے میں تحفظات ہیں، مگر یہ جو کچھ بھی کہا گیا ہے علامہ السرخسی نے کہا ہے۔ فاعتبروا يا أولي الأبصار!

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”وَكَانَ أَشْهَرَ أَصْحَابِهِ ذِكْراً أَبُوْ يُوْسُفَ رحمه الله، فَوَلِيَ قَضَاءَ الْقُضَاةِ أَيَّامَ هَارُوْنَ الرَّشِيْدِ، فَكَانَ سَبَباً لِظُهُوْرِ مَذْهَبِهِ وَالْقَضَاءِ بِهِ فِيْ أَقْطَارِ الْعِرَاقِ وَالْخُرَاسَانِ وَمَا وَرَاءَ النَّهْرِ“

(حجۃ اللہ: ۱/۲۷۱)

”امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سب سے مشہور ابو یوسف تھے، یہ ہارون رشید کے زمانے میں قاضی القضاۃ تھے۔ امام صاحب کے مذہب کا ظہور اسی وجہ سے تھا اور عراق، خراسان، ماوراء النہر میں اسی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔“

یہی بات شاہ صاحب نے ”الإنصاف في بيان سبب الاختلاف“ (ص: ۷۰، ط: پشاور) اور انہی کے حوالے سے مولانا عبدالحی لکھنوی نے النافع الکبیر (ص: ۷) میں کہی ہے، بلکہ ابن خلکان نے ذکر کیا ہے: ”لَوْ لَا أَبُوْ يُوْسُفَ مَا ذُكِرَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ“ (وفيات الأعيان: ۶/۳۸۲) اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو ابو حنیفہ کا نام نہ ہوتا۔ بادشاہوں کی سرپرستی میں حنفی مذہب کے پھیلاؤ کا اعتراف علامہ شبلی نے بھی کیا ہے۔ (سیرۃ النعمان، ص: ۲۳۲، ۲۳۳) ابن خلکان نے یہ بھی لکھا ہے کہ حنفی اور مالکی مسلک کے پھیلاؤ کا سبب حکمران تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: وفيات الأعيان (۶/۱۴۴) ترجمہ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی۔

شاہ صاحب کے فرزندِ ارجمند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں:

”ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے مذہبوں کو ریاست و سلطنت کے سبب سے دنیا میں زیادہ رواج و عروج حاصل ہوا۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف جن کے ہاتھ میں تمام ملکوں کی قضا تھی جب کبھی کسی ملک میں کسی شخص کو قاضی بنا کر بھیجتے تھے تو ان سے یہ شرط کرتے

تھے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق حکم اور عمل کرو گے۔'' الخ

(بستان المحدثین اردو، ص: ۲۸، ط: کراچی)

اسی حقیقت کا اعتراف شیخ کوثری نے تانیب الخطیب (ص: ۱۷، ط: مکتبہ الازہر) میں بھی کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تو یہ بھی فرمایا ہے:

''سلاطین وعوام حنفی مذہب میں ہوئے اور دوسرے ائمہ کے مذہب میں محدثین ومفسرین وصوفیہ کرام ہوئے۔'' (تفهيمات إلٰهيه: ۲۱۲/۱)

ہارون الرشید اور دیگر سلاطین نے یہ مذہب کیوں اختیار کیا۔ اس کی جھلک دیکھنے کا شوق ہو تو ''حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان'' ملاحظہ ہو جو مولانا حافظ عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ کی شاہکار تصنیف ہے، ہم اس حوالے سے مزید تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ اس کے مدِمقابل شوافع عمل داری کا اور حکمرانی کا دائرہ دیکھنا ہو تو طبقات الشافعیہ ملاحظہ فرمائیں۔ بلادِ حجاز کے بارے میں تو کہا گیا ہے کہ آج تک وہاں شوافع کا راج ہے، حتی کہ مسجدِ نبوی میں امام شافعی کے مذہب کے مطابق نماز پڑھائی جاتی ہے۔ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے ہیں، اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے ہیں، اقامت مفرد کہتے ہیں:

''وَهُوَ ﷺ حَاضِرٌ يُبْصِرُ وَيَسْمَعُ، وَفِيْ ذٰلِكَ أَوْضَحُ دَلِيْلٍ عَلٰى أَنَّ هٰذَا الْمَذْهَبَ صَوَابٌ عِنْدَ اللّٰهِ''

(طبقات الشافعية للسبكي: ۳۲۷/۱)

''اور رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، یہ سب دیکھتے اور سنتے ہیں۔ یہ سب سے واضح دلیل ہے کہ یہ مذہب عنداللہ درست ہے۔'' (سبحان اللہ)

شوافع نے اس کے علاوہ کیا کچھ کہا، اس کی تفصیل ضروری نہیں، علامہ سبکی نے کہا ہے کہ بلادِ شرق جیسے خراسان، سمرقند، بخارا، جرجان، اصبہان وغیرہ اور بلادِ ہند،

ماوراء النہر میں اطرافِ چین تھا، بہت بڑی تعداد میں امام شافعی کا مذہب پھیلا ہوا ہے۔ آذر بائیجان کے ایک سو شہروں میں شافعی مذہب کے علاوہ کوئی مذہب نہیں، یہ سب دیکھ کر ''تسر القلب'' دل خوش ہو جاتا ہے۔ (ایضاً: ۱/۳۲۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بلادِ مشرق میں شیخ مسعود کے ''خلفائے راشدین مہدیین'' کی حکمرانی کے علی الرغم شافعی مذہب اپنے دلائل کے تناظر میں پھلا پھولا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین رحمہم اللہ حلقہ بگوش اہل الرائے نہیں ہوئے۔



الموسوعہ کی چند احادیث

پہلی حدیث مسح رأس

شیخ قاسمی نے باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً میں ایک حدیث امام صاحب سے بواسطہ "خالد بن علقمة عن عبد خير عن علي رضی اللہ عنہ" نقل کی ہے جس میں سر پر بھی تین بار مسح کا ذکر ہے۔ بعض روایات "أبو حنيفة عن أبي هند الحارث بن عبد الرحمن عن الضحاك عن علي رضی اللہ عنہ" سے ہیں۔ اور یہ دونوں روایات صفحہ ۵۹ سے صفحہ ۸۸ (رقم: ۸۹۶، ۹۷۶) میں پھیلی ہوئی ہیں۔ قاسمی صاحب نے اپنے اسلوب کے مطابق ان پر علیحدہ علیحدہ نمبر دیے ہیں جو احادیث کا شمار بڑھانے کے لیے ہیں، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ شیخ قاسمی نے مسند الحارثی میں اور یہاں بھی اس حدیث کو شواہد کے تناظر میں صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ضروری جائزہ ہم مسند الحارثی پر تبصرہ کے ضمن میں قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر چکے جو اس فقیر کے مقالات (۳/۱۰۸۔۲۰٤) میں شائع ہو چکا ہے۔

یہ روایات علامہ الخوارزمی نے جامع المسانید میں بھی نقل کی ہیں۔ (۱/۲۳۰، ۲۳٤، ۲۳۷) شیخ قاسمی ان روایات کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے حافظ ابن الجوزی سے نقل کرتے ہیں کہ تین بار مسح کی روایت اولیٰ ہے اور ایک بار مسح کی روایات اگر ثابت ہوں تو بیانِ جواز کے لیے ہے۔ جب کہ دیگر علمائے احناف تین بار مسح کی روایت کو

ضعیف کہتے ہیں اور اس کی تاویل کرتے ہیں، اس لیے حنفی مسلک ایک بار مسح کرنے کا ہے، جب کہ تین بار مسح کا موقف شوافع کا ہے۔ دیکھیے: فتح القدير (۲۲/۱)، السعاية (۱۳۳/۱)، منية المستملي (ص: ۲۳)، البناية (۲۴۲/۱، ۲۴۳).

بلکہ عجیب بات ہے کہ علامہ الخوارزمی امام صاحب پر اعتراضات کہ ''وہ امام شافعی کے مسلک کی مؤید احادیث کو محض قیاس کی بنیاد پر ترک کر دیتے ہیں'' کے جواب میں فرماتے ہیں: "إِنَّهُ تَرَكَهَا لِأَحَادِيْثَ أَصَحَّ مِنْهَا" امام صاحب نے ان احادیث کو اصح حدیث کی بنا پر نظر انداز کیا ہے۔ اور اس کی مثالوں میں ایک مثال یہی تین بار مسح کی حدیث ہے کہ امام صاحب تکرارِ مسح کو مستحب نہیں سمجھتے۔ جس کے جواب میں علامہ الخوارزمی فرماتے ہیں: ''وضو میں دھونا ہے تو یہاں تکرار مستحب ہے، جبکہ مسح وضو نہیں اس لیے اس میں تکرار نہیں، ان کا عمل جامع ترمذی کی حدیثِ علی رضی اللہ عنہ پر ہے، جس میں ایک بار مسح کا ذکر ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' (جامع المسانيد: ۴۳/۱، ۴۶)

کیا علامہ الخوارزمی کے اس موقف سے معلوم نہیں ہوتا کہ تکرارِ مسح کے بجائے ایک بار مسح کی روایت ''اصح'' ہے؟ اس لیے امام صاحب نے اس پر عمل کیا ہے، مگر اس کے برعکس یہاں شیخ قاسمی شوافع کی ترجمانی کرتے ہوئے تکرارِ مسح کو ثابت کر رہے ہیں۔ فاعتبروا يا أولي الأبصار!

دوسری حدیث، حدیثِ سواک:

الموسوعہ میں ایک حدیث "اِسْتَاكُوْا وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِيْ" الخ کے الفاظ سے منقول ہے۔ یہ روایت امام محمد نے ذکر کی ہے جو حسبِ ذیل سند سے ہے:

"أَبُوْ حَنِيْفَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُوْ عَلِيٍّ عَنْ تَمَّامٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ

طَالِبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: اِسْتَاكُوا" الحديث (الآثار: ٤١)

یہی روایت قاضی ابو یوسف نے امام صاحب سے روایت کی اور استاد کا نام "علی أبو الحسن الزراد" بتلایا ہے۔ شیخ قاسمی یہ روایت الموسوعہ (٥/٣٤۔٤٣، رقم: ٨٣٦، ٨٥٨) میں مسند الحارثی، مسند طلحہ، مسند ابن خسرو اور مسند ابی نعیم وغیرہ کے حوالے سے اندھا دھند نقل کرتے گئے ہیں، مگر مجال ہے کہ کہیں اشارہ بھی کیا ہو کہ امام صاحب کے استاد کے نام اور کنیت میں شدید اختلاف و اضطراب ہے۔ یہی روایات جامع المسانید (١/٢٤١، ٢٤٣) میں بھی منقول ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"وَهٰذَا اِضْطِرَابٌ شَدِيْدٌ، وَلَعَلَّ أَرْجَحَهَا مَا رَوَاهُ الْأَكْثَرُ عَنِ الثَّوْرِيِّ فَإِنَّهُ أَحْفَظُهُمْ، وَرِوَايَةُ مُعَاوِيَةَ بْنِ هِشَامٍ عَنْهُ بِخِلَافِ الْقَوْمِ شَاذَّةٌ وَهُوَ مَوْصُوْفٌ بِسُوْءِ الْحِفْظِ" (تعجيل المنفعة: ١/٣٦٤)

"یہ شدید اضطراب ہے اور شاید ان میں سب سے راجح وہ ہے جسے اکثر نے امام ثوری سے روایت کیا ہے، کیونکہ وہ اسے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ حافظ ہیں۔ اور ان سے معاویہ بن ہشام کی روایت جماعت کی روایت کے مقابلے میں شاذ ہے اور انھیں سوئے حفظ سے متصف کیا گیا ہے۔"

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اسے "عن أبي علي عن جعفر بن تمام بن العباس عن أبيه" سے روایت کرتے ہیں اور ان کی یہ روایت طبرانی کبیر (١٣٠١) میں ہے، جیسا کہ شیخ قاسمی نے ذکر کیا ہے، نیز یہ روایت مسند احمد (رقم: ١٨٣٥)، موضح اوہام الجمع والتفریق (٢/٢٥٦) میں ہے، اسی طرح اسے قیس بن الربیع بیان کرتے ہیں۔ (موضح: ٢/٢٥٦) خطیب بغدادی نے بھی کہا ہے کہ دوسری اسانید کے بجائے امام

سفیان ثوری اور قیس کی روایت "أقرب عن الصحة" ہے۔ عباس کے بیٹے کا نام "تمام" ہے، لیکن اس نے نبی ﷺ سے کچھ نہیں سنا، آنحضرت ﷺ کا جب انتقال ہوا "تمام" چھے ماہ کے تھے۔ (موضح)

یہی روایت امام منصور کے اکثر شاگردوں نے بھی امام منصور سے بھی اسی طرح ابو علی سے اسی سند سے اسے روایت کیا ہے۔ (طبراني: ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، تعجيل المنفعة) البتہ عمر بن عبدالرحمٰن الآبار اسے امام منصور سے بواسطہ "أبو علي عن جعفر بن تمام عن أبيه عن العباس" روایت کرتے ہیں۔ (الحاكم: ۱/۱۴۶، التاريخ الكبير للبخاري: ۱۱/۱۵۷، بيهقي: ۱/۳۶) امام بخاری اور امام بیہقی ﷭ نے اس کے بعد اختلافِ سند کا ذکر کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت شدید مضطرب الاسناد اور ضعیف ہے۔ دکتور خالد العواد نے بھی کہا ہے: اس کی سند بوجہ اضطراب ضعیف ہے۔ (حاشيه كتاب الآثار: ۱/۷۳) علامہ ابن الترکمانی نے بھی کہا ہے کہ ابن القطان نے کہا ہے کہ "تمام" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے فرزند تھے جن کا سماع آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں۔ (الجوهر النقي: ۱/۳۶ مع البيهقي) امام ابن القطان کا مکمل کلام "بيان الوهم" (۵/۱۲۰، ۱۲۳) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مگر شیخ قاسمی کی اس پر خاموشی بے معنی نہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ یہی روایت ایک اور سند سے اسے علی بن یزید عن ابی حنیفة عن عبدالملک بن میسرة عن تمام عن جعفر بن ابی طالب" سے نقل کرتے ہیں۔ رقم (۸۴۵) اور رقم (۸۵۷) میں علی بن یزید اخبرنا ابو حنیفہ عن عبدالملک بن میسرة عن ہمام عن جعفر سے نقل کرتے ہیں۔ یہ دوسری روایت انھوں نے مسند ابن خسرو (۶۶۶) سے نقل کی ہے، جب کہ ابن خسرو نے کہا ہے کہ قاضی عمر بن الحسن الشنانی نے یہ حدیث عبدالملک بن میسرة الزراد کے

ترجمے میں ذکر کی ہے۔ گویا ابوعلی یا علی الزراد کے بجائے یہ عبدالملک بن میسرۃ الزراد ہے۔ (مسند ابن خسرو: ۵٦٦/۲)

یوں گویا ابوعلی الزراد کے اضطراب سے تو جان چھوٹ گئی۔ لیکن ''ہمام'' اور ''تمام'' کا اختلاف پھر جعفر بن ابی طالب سے ان کی روایت، جو آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے تھے، کا انقطاع باقی ہے۔ یاد رہے علامہ الخوارزمی نے بھی جامع المسانید (۲٤۳/۱) میں قاضی عمر الاشنانی کی سند سے روایت ذکر کی ہے مگر اختلافِ سند ذکر نہیں کیا۔

علاوہ ازیں ان روایات میں ایک طرف تو ''اِسْتَاکُوْا'' مسواک کرنے کا حکم ہے مگر ساتھ ہی یہ الفاظ بھی ہیں: ((لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ)) ان میں مشقت کی بنا پر حکم نہ دینے کا ذکر ہے اور پھر یہاں یہ معنوی نکارت بھی پائی جاتی ہے۔ علامہ عراقی نے مسواک کے حکم ''استاکوا'' کی روایات ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''إِنَّ الْأَحَادِيثَ الَّتِي وَرَدَ فِيهَا الْأَمْرُ لَا يَصِحُّ مِنْهَا شَيْءٌ''

(طرح التثریب: ٦۳/۱)

''جن احادیث میں حکم کا ذکر ہے ان میں کوئی بھی صحیح نہیں۔''

اور ''استاکوا'' کی روایت جو تمام یا عباس سے مروی ہے اسے ابوعلی الصیقل کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ حکم کی روایات ''لا یثبت شيء منها'' میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔ (فتح الباري: ۳۷٦/۲) بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے:

''فَدَلَّ الْحَدِيثُ عَلَى انْتِفَاءِ الْأَمْرِ لِثُبُوتِ الْمَشَقَّةِ، لِأَنَّ انْتِفَاءَ النَّفْيِ ثُبُوتٌ، فَيَكُونُ الْأَمْرُ مَنْفِيًّا لِثُبُوتِ الْمَشَقَّةِ''

(فتح الباري: ۳۷۵/۲)

”پس یہ حدیث: ((لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ))
دلیل ہے کہ مشقت کی وجہ سے حکم نہیں فرمایا، کیونکہ نفی کی نفی ثبوت ہوتی
ہے، لہٰذا حکم نہ کرنا مشقت کی وجہ سے ہے۔“

اس لیے یہاں ”اِسْتَاکُوْا“ مسواک کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ فرمان کہ اگر مشقت نہ ہوتی تو میں اس کا حکم دیتا، دونوں کے مابین یہ معنوی نکارت بھی ہے اور شیخ خالد العواد نے بھی اس کا ذکر کتاب الآثار کے حاشیہ میں کیا ہے۔ کیا اس کی بھی کوئی چارہ جوئی ممکن ہے؟

تیسری حدیث:

ایک اور حدیث شیخ قاسمی صاحب نے امام صاحب کے واسطہ سے نقل کی ہے:

”عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عَائِذٍ الطَّائِيِّ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ إِلَّا بِالتَّشَهُّدِ“ (الموسوعة الحديثيه، رقم: ۳۵۷۳، ۳۵۷٤)

یہ روایت انھوں نے بحوالہ کتاب الآثار لابي یوسف، ومحمد، امام صاحب سے بواسطہ محارب بن دثار عن ابن عمر موقوفاً روایت کی ہے۔ امام صاحب سے اسے موقوف بیان کرنے والے امام ابو یوسف رحمہ اللہ ومحمد رحمہ اللہ کے علاوہ شعیب، مکی بن ابراہیم، ابو اسحاق الفزاری، الحسین بن الحسن، اسد بن عمرو، الحسن بن زیاد، اخی زیاد بن الحسن بن فرات وغیرہ ہیں۔ جب کہ امام صاحب سے مرفوع بیان کرنے والے اسحاق الازرق ہیں۔

امام ابونعیم نے مسند الامام (۳۲۲) میں امام سلیمان بن احمد طبرانی سے اسحاق الازرق کے واسطے سے یہی روایت ذکر کی ہے۔ (طبراني کبیر: ۱۳/۱۳۰، رقم: ۱۳۸۰۰،

أوسط رقم: ٥٢٣٥: ٦/١١٤، ١١٥) اور دونوں حضرات (امام طبرانی وابونعیم) نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے صرف محارب بن دثار، ان سے صرف امام ابو حنیفہ، ان سے صرف اسحاق الازرق نے (مرفوع) روایت کی ہے۔

شیخ قاسمی نے امام طبرانی کا یہ کلام نقل کیا ہے (٣٦٦/٧) لیکن اسے انھوں نے خارجہ بن مصعب، جعفر بن عون، عبدالعزیز بن خالد، الحسن بن زیاد عن ابی حنیفہ مرفوعاً بھی نقل کیا ہے، مگر مجال ہے کہ اسحاق الازرق کے علاوہ باقی ان راویوں نے جو اسے مرفوع بیان کیا اس کی پوزیشن ذکر کی ہو۔ یوں موقوف و مرفوع خلط ملط کر کے احادیث بنا دی ہیں۔

جب کہ عبدالعزیز بن خالد نے محارب اور امام صاحب کے مابین ایوب بن عائذ الطائی کے واسطے کا اضافہ بھی کیا ہے اور عبدالعزیز سے اسے روایت کرنے والے ابوجعفر محمد بن قاسم الطایکانی کذاب اور وضاع ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ان نو روایات کا ذکر کیا ہے جنھیں ابومحمد عبداللہ بن محمد الحارثی الاستاذ نے مسند امام ابی حنیفہ کی ''زینت'' بنایا ہے اور کہا ہے:

''هَذَا مِنَ اخْتِلَاقِ الطَّايكَانِيِّ'' (میزان: ٤/١١، لسان: ٥/٣٤٣، ٣٤٤)

''یہ طایکانی کی گھڑی ہوئی روایات میں سے ہیں۔''

اسی طرح الحسن بن زیاد لؤلوی جو امام صاحب سے اسے مرفوع نقل کرتے ہیں وہ بھی کذاب اور وضاع ہے، جس کی تفصیل میزان (١/٤٩١) اور لسان المیزان (٢/٢٠٨) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ وللتفصیل موضع آخر.

رہی جعفر بن عون کی روایت تو اسے شیخ الحارثی الاستاذ نے اپنی مسند میں صالح بن ابی رمیح سے کیا ہے۔ استاذ الحارثی خود وضاع اور کذاب ہے اور صالح بن ابی رمیح

بھی عجائب روایات بیان کرتا ہے، جیسا کہ علامہ سمعانی رحمہ اللہ نے ابو حامد احمد بن ابراہیم بن محمد البغونی کے ترجمے میں لکھا ہے: "سَمِعَ بِنَيْسَابُوْرَ وَالْعِرَاقِ وَكَتَبَ تِلْكَ الْعَجَائِبَ بِبَلْخٍ وَبِتِرْمِذٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي رُمَيْحٍ" (الأنساب: ۳۷۴/۱) جس سے صالح کا ضعف نمایاں ہے، مگر متداول کتبِ رجال میں اس کا ترجمہ نہیں ملتا۔

رہی خارجہ بن مصعب کی روایت تو خارجہ خود متروک اور کذاب ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَتْرُوْكٌ وَكَانَ يُدَلِّسُ عَنِ الْكَذَّابِيْنَ وَيُقَالُ: اِبْنُ مَعِيْنٍ كَذَّبَهُ" (تقریب، ص: ۸۷)

"وہ متروک ہے اور کذابین سے تدلیس کرتا تھا۔ کہا گیا ہے ابن معین نے اس کی تکذیب کی ہے۔"

اس لیے کذاب و متروک راویوں کی روایت سے اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ موقوف ہے مرفوع نہیں، رہی اسحاق الازرق کی امام صاحب سے مرفوع روایت تو اس کے بارے میں علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"فِيْهِ مَنْ ضُعِّفَ الْحَدِيْثَ" (مجمع: ۲۳۱/۲)

یہی روایت انھوں نے باب صلاۃ العشاء الآخرۃ، میں طبرانی اوسط سے نقل کر کے کہا ہے:

"فِيْ إِسْنَادِهِ ضَعِيْفٌ غَيْرُ مُتَّهَمٍ بِالْكَذِبِ" (مجمع: ۴۰/۲)

ہم یہاں اس روایت پر مزید بحث ضروری نہیں سمجھتے۔ بتلانا صرف یہ تھا کہ اس مرفوع و موقوف روایت کو بلاتمیز شیخ قاسمی صاحب نے ۱۹ روایات بنایا ہے۔ وہ بعض شواہد ذکر کرنے کا تکلف تو فرماتے ہیں مگر اصل بحث سے صرفِ نظر فرماتے ہیں، تاکہ بات بنی رہے، مثلاً: وہ خارجہ بن مصعب عن ابی حنیفہ کی روایت ۳۵۶۸ کے

تحت لکھتے ہیں کہ طبرانی اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع مروی ہے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس میں یزید بن سنان ابو فروہ کو امام احمد، ابن معین، ابن مدینی نے ضعیف، امام بخاری نے مقارب الحدیث اور ابو حاتم نے محلّہ الصدق کہا ہے۔ (الموسوعۃ: ۳٦٧/٧) مگر خارجہ کی روایت کے بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ آخر کیوں؟

چوتھی حدیث اور استاذ الحارثی:

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے قبر میں سوال و جواب اور عذابِ قبر کے بارے میں ایک حدیث: "أبو حنيفة عن علقمة عمن حدثه عن سعد" کی سند سے ذکر کی ہے۔ (کتاب الآثار: ۹۱۲) جسے شیخ قاسمی نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کے بعد یہی روایت مسند الامام للحارثی سے بھی نقل کی ہے۔ (الموسوعۃ: ۱٤٤/۸، ۱٤٧) مسند للحارثی میں قاضی ابو یوسف کے علاوہ یہ روایت امام صاحب سے ابومطیع، ابو یحییٰ الحمانی، عبیداللہ بن الزبیر، اسماعیل بن حماد، عامر بن الفرات روایت کرتے ہیں۔ البتہ عامر بن الفرات نے اس کی سند یوں بیان کی ہے:

"أبو حنيفة عن علقمة بن مرثد عن سعد بن عبيدة عن رجل من أصحاب النبي ﷺ"

اور شیخ الحارثی نے آخر میں فرمایا ہے:

"هَذَا الْإِسْنَادُ أَصَحُّ الْأَسَانِيدِ، وَكُلُّ مَا مَرَّ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ بِالْأَسَانِيدِ الْمَذْكُورَةِ فَغَلَطٌ مِمَّنْ دُونَ أَبِي حَنِيفَةَ، لَا مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَعَامِرُ بْنُ الْفُرَاتِ هَذَا حَفِظَ الْحَدِيثَ عَلَى وَجْهِهِ، وَسَاقَ الْإِسْنَادَ عَلَى السَّوَاءِ، لِأَنَّ الْأَعْمَشَ وَشُعْبَةَ رَوَيَا هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ فَذَكَرَا عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ إِلَّا أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَقَالَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ الْبَرَاءُ، وَهُوَ الصَّوَابُ" (الموسوعة: ١٤٧/٨)

"یہ اصح الاسانید ہے اور جس نے امام صاحب سے مذکورہ اسانید سے یہ حدیث روایت کی ہے، انھوں نے غلطی کی ہے، امام ابو حنیفہ نے نہیں، اور عامر بن فرات نے اس سند کو محفوظ رکھا ہے، کیونکہ اعمش اور شعبہ نے یہ حدیث علقمہ بن مرثد سے روایت کی اور انھوں نے اسے سعد بن عبیدہ عن البراء سے روایت کیا۔ مگر ابو حنیفہ نے براء بن عازب کا نام نہیں لیا: "عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ" کہا اور وہ براء ہیں اور یہی درست ہے۔"

یہاں چند باتیں قابلِ غور ہیں:

① استاذ حارثی نے جس سند کی تصحیح کی ہے: "علقمة بن مرثد عن سعد بن عبيدة عن البراء" ائمۂ محدثین میں سے کسی نے اس سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے؟ یقین جانیے یہ محض استاذ حارثی کا انکشاف اور اختراع ہے۔

② استاذ حارثی نے امام ابو حنیفہ سے روایت کرنے والوں کی تغلیط کی ہے اور ابو یوسف اور اسماعیل بن حماد نے اسے "علقمة عن رجل عن سعد" سے روایت کیا ہے۔ کتاب الآثار میں "سعد رضی اللہ عنہ" ہے۔ ہشام بن عبیداللہ نے، ابو یوسف سے أبو حنيفه عمن حدثه عن سعد بن أبي وقاص کہا ہے۔ ابو مطیع اور ابو یحییٰ الحمانی نے اسے "علقمة بن مرثد عن رجل عن سعد بن عبادة" کہا، کبھی ابو مطیع "رجل" کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ (مسند طلحہ۔ الموسوعہ) عبیداللہ بن الزبیر نے اسے علقمه بن مرثد عن من حدثه

عن سعد بن أبي وقاص کہا ہے۔

غور فرمایئے! کوئی ''سعد رضی اللہ عنہ''، کوئی ''سعد بن ابی وقاص'' کہتا ہے، کوئی ''سعد بن عبادہ'' کہتا ہے۔ کتاب الآثار لابی یوسف میں یہ علقمہ عن رجل سے ہے، جب کہ الحارثی بواسطہ ہشام، ابو یوسف سے علقمہ کا واسطہ ہی ذکر نہیں کرتے، اور ''سعد'' کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر بعض اسے موقوف اور بعض مرفوع بیان کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا أولي الأبصار.

③ استاذ الحارثی فرماتے ہیں: صحیح عامر بن فرات عن ابی حنیفہ کی روایت ہے جس میں ''علقمة بن مرثد عن سعد بن عبيدة عن رجل من أصحاب النبي ﷺ'' ہے۔ سوال یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف اور اسماعیل بن حماد کی روایت پر عامر بن فرات کی روایت کو وجہ ترجیح کیا ہے۔ کیا عامر ان دونوں سے ثقہ ہیں؟ یہاں صرف شعبہ و اعمش کو جو جبال الحفظ ہیں، کی موافقت ہے؟ کیا عامر اور اس کی سند کے سب راوی قابلِ اعتماد ہیں؟ کیا یہ کارروائی کہیں خود ''استاذ'' کی تو نہیں؟

④ استاذ الحارثی تو عبیداللہ بن الزبیر کی روایت میں ''علقمة بن مرثد عمن حدثه عن سعد بن أبي وقاص'' کہتے ہیں، جب کہ قاضی عمر بن الحسن الاشنانی عبیداللہ کی روایت میں ''سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ'' کہتے ہیں، مگر ابن خسرو، عبیداللہ سے سعد بن مالک سے موقوفاً بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اندھا دھند شیخ قاسمی نقل کیے جا رہے ہیں اور احادیث کے نمبر بڑھا رہے ہیں۔

⑤ استاذ حارثی نے عامر بن فرات کی روایت کو راجح باعتبار سند کے کیا ہے، مگر یہ غور نہ فرمایا ہے کہ اس میں ''عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا

وُضِعَ الْمُؤْمِنُ فِيْ قَبْرِهِ'' کے الفاظ ہیں، یعنی یہ موقوف ہے جب کہ شعبہ کی روایت میں ''عن النبي ﷺ'' یعنی مرفوع ہے۔ (صحیح البخاري، ١٣٦٩، ٤٦٩٩۔ صحیح مسلم: ٢٨٧١ وغیرہ) البتہ ''الأعمش عن سعد بن عبیدة'' سے یہ روایت صحاح ستہ، مسند احمد اور متداول کتب میں نظر نہیں آئی۔ واللہ اعلم

اور یہ روایت مفصلاً ''الإمام الأعمش وغیرہ المنھال بن عمرو عن زاذان عن البراء'' سے روایت کرتے ہیں۔

پانچویں حدیث دفنِ میت:

شیخ قاسمی نے مسند الاستاذ الحارثی سے یہ روایت ذکر کی ہے:

''أَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ أَبِیْهِ قَالَ: أُلْحِدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَ أُخِذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ، وَنُصِبَ عَلَیْهِ اللَّبِنُ نَصْباً'' (الموسوعة: ١٣٦/٨، رقم: ٣٩٠٩)

''نبی کریم ﷺ کے لیے لحد بنائی گئی اور انھیں بجانبِ قبلہ سے اٹھایا گیا اور قبر اطہر پر اینٹ نصب کی گئی۔''

شیخ قاسمی حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''یہ روایت ''کامل ابن عدي'' (٥٩٦/٧) اور ''الضعفاء للعقیلي'' (٤٦٢/٤) میں اور ان سے میزان الاعتدال میں عمرو بن یزید التمیمی عن علقمہ کی سند سے منقول ہے اور انھوں نے اسے عمرو بن یزید کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ العقیلی نے کہا ہے کہ اس کی حدیث پر متابعت نہیں کی گئی، مگر الزبیدی نے ''العقود'' (١٠٢/١) میں کہا ہے: امام صاحب سے بڑا ثقہ اور جلیل القدر متابع کون ہے؟''

انتہائی تعجب ہے کہ قاسمی صاحب بلکہ علامہ الزبیدی پر کہ وہ عمرو بن یزید کی متابعت

میں امام صاحب سے یہ روایت تو بتلاتے ہیں مگر اس کے ثبوت کی پوزیشن سے کبوتر کی طرح آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہیں؟ کیا امام صاحب سے روایت کرنے والا نوح بن دراج الکوفی القاضی نہیں؟ جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَتْرُوكٌ وَقَدْ كَذَّبَهُ ابْنُ مَعِينٍ" (تقریب، ص: ٣٦٠)

کیا متروک اور جس کی تکذیب کی گئی ہو اس کی روایت قابلِ اعتبار ہوتی ہے؟ نوح بن دراج کا شاگرد عمرو بن حمید ہے جو متہم بالکذب ہے۔ (میزان: ٢٥٦/٣، لسان: ٣٦٢/٤)

استاذ الحارثی کا "ذکرِ خیر" پہلے ہو چکا، کیا علامہ الزبیدی اس حقیقت سے بے خبر ہے؟

إِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ
وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

علامہ زبیدی کی ایک اور زیادتی:

علامہ الزبیدی کی ایک اور زیادتی بھی ملاحظہ فرمائیں کہ انھوں نے اس کی تائید میں "جامع ترمذی" (١٠٥٧) سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث: "إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُدْخِلَ قَبْرَهُ لَيْلًا، فَأُسْرِجَ بِهِ بِسِرَاجٍ فَأَخَذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ" نقل کر کے فرمایا ہے: "وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ" کہ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

(عقود الجواهر: ١٧١/١)

بلاشبہہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے، لیکن کیا علامہ زبیدی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ امام ترمذی تحسین وتصحیح میں متساہل ہیں؟ اور اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ مشہور مدلس ہیں اور وہ یہ روایت معنعن بیان کرتے ہیں، ان کا شاگرد منہال بن خلیفہ ہے جو ضعیف ہے۔ (تقریب، ص: ٣٤٨) علامہ زیلعی حنفی ہی تو ہیں جنھوں نے فرمایا ہے:

”أُنكِرَ عَلَيهِ لِأَنَّ مَدارَهُ عَلَى حَجَّاجِ بْنُ أَرْطَاةٍ وَهُوَ مُدَلِّسٌ وَلَمْ يَذْكُرْ سِمَاعاً، وَمِنْهَالٌ ضَعَّفَهُ ابْنُ مُعِينٍ، وَقَالَ الْبُخَارِيُّ: فِيهِ نَظَرٌ“ (نصب الراية: ٢/٣٠٠)

امام ترمذی کے حسن کہنے پر انکار کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا دارومدار حجاج بن ارطاۃ پر ہے اور وہ مدلس ہے اس نے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ منہال کو امام ابن معین نے ضعیف اور امام بخاری نے ”فیہ نظر“ کہا ہے۔ اس لیے علامہ الزبیدی کا یہ بے کار سہارا حقیقت سے اغماز کا نتیجہ ہے۔

چھٹی حدیث اور امام صاحب سے مخالفت کی وجہ:

استاذ الحارثی نے ”کشف الآثار“ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ایک قول ذکر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اہلِ مکہ، اہلِ مدینہ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟ فرمایا گیا ہے:

”اہلِ مکہ اس لیے بغض رکھتے ہیں کہ ہم مدینہ میں نازل ہونے والی ناسخ آیات سے ان کی تردید کرتے ہیں، اہلِ مدینہ اس لیے بغض رکھتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں تم سینگی لگانے، قے آنے، بہنے والے خون نکلنے سے وضو نہیں کرتے اور تمھاری نمازیں فاسد ہیں۔ اہلِ بصرہ اس لیے بغض رکھتے ہیں کہ وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور ہم ان کی تردید کرتے ہیں، اہلِ شام اس لیے بغض رکھتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں: اگر جنگِ صفین میں ہم ہوتے تو علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے۔ اہلِ حدیث اس لیے بغض رکھتے ہیں کہ ہم خلافت کا حق دار علی رضی اللہ عنہ کو سمجھتے ہیں، مگر وہ یہ تسلیم نہیں کرتے۔“

(الموسوعة الحديثية: ١٥/١٧٦، رقم: ١٠٢٨٨)

ہم تو اس کہانی کو لغو، سخت ضعیف اور ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں، کیونکہ اولاً تو

استاذ الحارثی ہی کذاب اور وضاع ہے۔ ثانیاً اس کے راوی سلم بن سالم البلخی کے بارے میں امام ابن معین نے ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' امام احمد نے ''لَيْسَ بِذَلِكَ'' امام ابوزرعہ نے ''لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ'' امام نسائی نے ضعیف اور امام ابن المبارک نے فرمایا: سَلْم کے سانپ سے بچو وہ تمھیں ڈس لے گا۔

اس ''ذاتِ شریف'' نے یہ حدیث وضع کی کہ دالِ مسور ''شریف'' کی تعریف ستر (۷۰) انبیائے کرام علیہم السلام نے کی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن المبارک سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: نہیں، ایک نبی نے بھی تعریف نہیں کی، یہ دال تو نفخ پیدا کرتی ہے، یہ تمھیں کون بیان کرتا ہے؟ بتلایا گیا سلم بن سالم، فرمایا: کس سے؟ انھوں نے کہا: آپ سے تو انھوں نے فرمایا: وہ مجھ سے بھی؟

(میزان: ۱۸۵/۲، الکامل: ۳۷۲/۵، لسان: ۶۳/۳)

یاد رہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان میں امام ابن عدی کا کلام: ''أَرْجُوْ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ'' نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ کلام نقل کرنے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے، بلکہ الکامل سے مراجعت کی جائے تو مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ دال مسور کی حدیث وضع کرنے میں اس کی شہرت کا یہ عالم تھا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس کی ایک حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں: ''سَلْمٌ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَهُوَ صَاحِبُ حَدِيْثِ الْعَدَسِ'' کہ سلم لَيْسَ بِشَيْءٍ ہے اور وہ مسور کی دال والا راوی ہے۔ (ذیل الموضوعات، رقم: ۴۸۱، ص: ۲۷۸)

مسور کی فضیلت میں اس کے علاوہ بھی روایات ہیں۔ وہ بھی سب موضوع ہیں۔ (تنزیه الشریعة: ۲۴۳/۲، ۲۴۴، الموضوعات لابن الجوزي، المنار المنیف، ص: ۱۲۸، فصل ۴۲، الموضوعات الکبریٰ، ص: ۴۲۶، ۴۲۷، الضعیفة: ۴۰ وغیرہ)

خلافت کے بارے میں ممکن ہے کہ کسی وقت یہ امام صاحب کا موقف ہو جیسا کہ

الموسوعة الحديثية (۱۷۹/۱۳، ح: ۸۵۳۳) میں ہے، اور غالباً انہی اقوال کی بنا پر ان پر تشیع کا بھی الزام ہے۔ (میزان: ۵۸۷/۲) مگر ان کی طرف منسوب کتاب الفقہ الاکبر میں تو یہی ہے:

"أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ رضي الله عنه ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ رضوان الله عليهم أجمعين"

(الفقة الأكبر، ص: ٦١، ٦٢)

علامہ علی قاری رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وَ رُوِيَ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمه الله تَفْضِيْلُ عَلِيٍّ، عَلَى عُثْمَانَ رضي الله عنه، وَالصَّحِيْحُ مَا عَلَيْهِ جُمْهُوْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنْ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رضي الله عنه عَلَى مَا رَتَّبَهُ هُنَا وَفْقَ مَرَاتِبِ الْخِلَافَةِ، وَفِيْ شَرْحِ الْعَقَائِدِ: عَلَى هٰذَا التَّرْتِيْبِ وَجَدْنَا السَّلَفَ الخ" (شرح الفقه الأكبر، ص: ٦٣)

"اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت روایت کی گئی ہے مگر صحیح وہ ہے جس پر جمہور اہلِ سنت ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر قول ہے جیسا کہ یہاں مراتبِ خلافت کے موافق نقل ہوا ہے اور شرح العقائد میں ہے کہ اسی ترتیب پر ہم نے سلف کو پایا ہے۔"

شرح العقائد مع النبراس (ص: ٤٨٦) میں یہ عبارت بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ بلکہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ شارح شرح العقائد نے تو فرمایا ہے کہ علامہ التفتازانی نے تساہل سے کام لیا ہے حتی کہ بعض رافضی ان کا کلام اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں، نیز اہلِ سنت کے موقف کے برعکس روافض کی ہرزہ سرائی کے بارے میں کہا ہے:

”فَسَادُهُ أَشَدُّ مِنْ مَفَاسِدِ مَذْهَبِ الْمُعْتَزِلَةِ وَالْجَبْرِيَّةِ وَأَشْبَاهِهِمْ، فَيَجِبُ عَلَى الْعُلَمَاءِ الِاهْتِمَامُ بِمَسْئَلَةِ الْأَفْضَلِيَّةِ الخ“

(النبراس، ص: ٤٩٠)

”اس کا فساد معتزلہ، جبریہ وغیرہ کے مذاہب کے مفاسد سے بھی زیادہ ہے، لہٰذا علماء پر واجب ہے کہ فضیلت کے مسئلے کو بیان کرنے کا اہتمام کریں۔“

اس مختصر وضاحت سے مقصد یہ ہے کہ ”استاذ الحارثی“ نے جو کہانی ذکر کی ہے اور امام صاحب کا جو موقف مسئلہ فضیلت و امامت میں ذکر کیا ہے وہ ”اہلِ حدیث“ کے ہی نہیں تمام جمہور اہلِ سنہ کے بلکہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے۔ علامہ تفتازانی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”فَاخْتَارَ هُوَ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ وَبَايَعَهُ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فَبَايَعُوهُ وَانْقَادُوا لِأَوَامِرِهِ وَصَلَّوْا مَعَهُ الْجُمَعَ وَالْأَعْيَادَ“

(شرح العقائد، ص: ٥٠٠)

”چنانچہ حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا اور صحابہ کی موجودگی میں ان کی بیعت کر لی تو انھوں نے بھی بیعت کر لی اور ان کے فیصلوں کے مطیع ہو گئے اور ان کی اقتدا میں جمعہ وعیدین پڑھنے لگے۔“

اسی لیے امام ایوب سختیانی اور امام احمد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتا ہے وہ اصحابِ شوریٰ سے ناراضی اور ان کی حقارت کا اظہار کرتا ہے۔

(تاریخ دمشق: ٥٧٨/٢٩، شرح العقیدة الطحاویة، ص: ٤٩٦ ط تحقیق أحمد شاکر)

علاوہ ازیں جن مسائل میں اہلِ مدینہ، اہلِ مکہ، اہلِ بصرہ سے اختلاف کا

اظہار فرمایا گیا ہے وہ بھی زیادہ سے زیادہ اکثر یا بعض ہی مراد لیے جا سکتے ہیں، تمام اہلِ مدینہ یا اہلِ بصرہ مراد نہیں ہیں۔ خون نکلنے کے بارے میں اہلِ مدینہ ہی نہیں، اہلِ مکہ میں سے امام طاؤس، عطاء بن ابی رباح وغیرہ بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''وَقَالَ طَاؤُسٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَ عَطَاءٌ وَأَهْلُ الْحِجَازِ: لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوءٌ'' (بخاري مع فتح: ۲۸۰/۱)

امام مالک ہی نہیں امام شافعی کا بھی یہی موقف ہے۔ چلیے امام شافعی امام صاحب کے بعد ہوئے ہیں کیا وہ امام عطاء، طاؤس وغیرہ اپنے مکی اساتذہ کے موقف سے بھی بے خبر تھے؟ یہی کیفیت بصرہ میں قدریہ کے بارے میں تھی کہ وہ سبھی تو اس بدعت میں مبتلا نہ تھے۔ اس لیے یہ کہانی سند اور متن دونوں لحاظ سے محلِ نظر ہے۔ پھر یہ بھی وضاحت نہیں کہ مدنی آیات کون سی ہیں جو مکی آیات کی ناسخ ہیں۔

امام صاحب کی مخالفت کی بنیادی وجہ:

مدینہ طیبہ میں امام مالک رحمہ اللہ بلکہ اکثر محدثین کی امام ابو حنیفہ سے اختلاف کی بنیاد کثرتِ قیاس پر عمل کرنا تھا۔ بلاریب قیاس سے کام نکالنے والے اور حضرات بھی تھے مگر امام صاحب اس عمل میں سب سے سبقت لیے ہوئے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''إِنَّ لِأَبِي حَنِيفَةَ مِنْ ذَلِكَ كَثِيراً وَهُوَ يُوجَدُ لِغَيْرِهِ قَلِيلٌ''
(جامع بيان العلم: ۱۴۸/۲)

''قیاس اور حدیث کی تاویل میں امام ابو حنیفہ زیادہ عمل کرتے اور یہ دوسروں میں کم ہی پایا جاتا ہے۔''

بلکہ امام مالک کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

”مَا زَالَ هَذَا الأَمْرُ مُعْتَدِلًا حَتَّى نَشَأَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ فَأَخَذَ فِيْهِمْ بِالْقِيَاسِ فَمَا أَفْلَحَ وَلَا أَنْجَحَ“ (جامع: ۱۴۷/۲)

”معاملہ ہمیشہ سے معتدل رہا، تا آنکہ ابوحنیفہ آئے تو انھوں نے قیاس کو لیا تو یہ کامیاب ہوئے نہ خوش ہوئے۔“

حتیٰ کہ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا:

”لَوْ خَرَجَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَلَى هَذِهِ الأُمَّةِ بِالسَّيْفِ كَانَ أَيْسَرَ عَلَيْهِمْ مِمَّا أَظْهَرَ فِيْهِمْ مِنَ الْقِيَاسِ وَالرَّأْيِ“ (جامع: ۱۴۷/۲)

”اگر ابوحنیفہ امت پر تلوار سے حملہ آور ہوتے تو یہ امت کے لیے آسان تھا، نسبتاً قیاس اور رائے کے ظاہر کرنے کے۔“

پہلے شیخ عبدالوہاب شعرانی کے حوالے سے ہم نقل کر آئے ہیں کہ اگر امام صاحب تدوینِ حدیث کے دور کو پا لیتے تو احادیث سے استدلال کرتے اور ہر قسم کا قیاس چھوڑ دیتے۔ نیز یہ بھی کہ دوسرے فقہاء کے مقابلے میں انھوں نے باکثرت قیاس کیا ہے۔ اسی حقیقت کا اعتراف ان کے حوالے سے مولانا عبدالحی لکھنوی نے النافع الکبیر (ص: ۳۲ ط کراچی) میں بھی کیا ہے۔

شیخ ابن حجر المکی کی الخیرات الحسان کے حوالے سے مولانا لکھنوی نے ہی ذکر کیا ہے:

”قِيْلَ لِأَحْمَدَ: مَا الَّذِيْ نَقَمْتُمْ عَلَيْهِ؟ قَالَ: اَلرَّأْيُ، قِيْلَ: أَلَيْسَ مَالِكٌ تَكَلَّمَ بِالرَّأْيِ؟ قَالَ: بَلَى وَلَكِنْ أَبُوْ حَنِيْفَةَ أَكْثَرَ رَأْياً مِنْهُ“

(مقدمة التعليق الممجد، ص: ۳۳)

”امام احمد سے کہا گیا: کس بنا پر امام صاحب پر تنقید کرتے ہیں؟ فرمایا:

رائے و قیاس کی وجہ سے۔ ان سے کہا گیا: کیا امام مالک رائے سے کلام نہیں کرتے تھے؟ فرمایا: کرتے تھے، لیکن ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان سے زیادہ رائے سے کلام کرتے تھے۔"

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی معلوم رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اگرچہ کچھ مسائل میں رائے اور قیاس سے فتویٰ دیتے مگر آخری دور میں وہ ان قیاسی فتاویٰ سے پریشان تھے، چنانچہ اپنے تلمیذ امام قعنبی سے فرمایا: اے قعنبی! میں کیوں نہ روؤں! مجھ سے بڑھ کر رونے کے قابل کون ہے؟ میں نے جس جس مسئلے میں رائے سے فتویٰ دیا، مجھے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسئلے کے بدلے میں کوڑے کھاتا۔ کاش! میں رائے سے فتویٰ نہ دیتا۔

(وفيات الأعيان: ١٣٧/٤ ترجمه إمام مالك)

ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام صاحب کے بہ کثرت قیاس کا ذکر کرتے ہوئے امام اسحاق بن راہویہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے: انھوں نے کتاب اللہ تعالیٰ اور سننِ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا اور قیاس کو لازم کر لیا۔

(تأويل مختلف الحديث، ص: ١٣٣)

امام اوزاعی کا یہی قول کتاب السنۃ لعبد اللہ بن احمد (رقم: ٢٣٣) میں بھی منقول ہے۔ بلکہ امام جعفر بن محمد الصادق کا اس بارے میں امام صاحب سے دلچسپ مکالمہ قاضی محمد بن خلف الوکیع نے کتاب القضاۃ (٧٧/٣، ٧٨) میں ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے یہ بھی فرمایا: "اتق الله ولا تقس الدين برأيك" الخ کہ اللہ سے ڈرو، دین میں اپنی رائے سے قیاس نہ کرو۔ نیز دیکھیے: حلية الأولياء (١٩٧/٣)، جذوة المقتبس (٥١١/١)، وفيات الأعيان (٤٧١/١)، الإحكام لابن حزم (٣٤/٨)، إعلام الموقعين (٤٦٩/٢ ط: دار ابن الجوزي)

علامہ شعرانی کے حوالے سے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ جمع و تدوینِ حدیث کا

دور اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پا لیتے تو قیاس کو چھوڑ دیتے۔ (المیزان الکبریٰ: ۶۶/۱ ط مصطفٰی البابي مصر) یہی پوزیشن حماد بن ابی سلیمان کی تھی، جیسا کہ سیر اعلام النبلاء کے حوالے سے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ ''امام صاحب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مذہب پر عمل پیرا تھے، بہت کم ان کے اقوال سے خروج کرتے تھے۔'' (حجة اللہ: ۱۴۶/۱) بلکہ خود امام نخعی رحمہ اللہ بھی اکثر و بیشتر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کے قول پر قناعت کرتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن مرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے سنا، وہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر میں قنوت کرتے تھے۔ عمرو فرماتے ہیں: میں نے اس کا ذکر ابراہیم نخعی سے کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی طرح نہ تھے، وہ امراء کے پاس آتے جاتے تھے، چنانچہ میں نے قنوت چھوڑ دی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ یہ تفصیل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہم پر اور ابراہیم پر رحمت فرمائے، ان کا یہ قول پسندیدہ نہیں، جو علم اصحابِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس نہ ہو اور دوسروں کے پاس ہو تو وہ نظر انداز نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے قبول کیا جائے گا۔ الخ (السنن الکبریٰ: ۲۰۵/۲)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کیا ان کا حضرت وائل اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں تبصرہ اہلِ علم کے ہاں مشہور ہے۔ علامہ کوثری نے اعتراف کیا ہے کہ امام صاحب نے کتاب ''الوقف'' پر مشتمل مسائل قاضی شریح کے قول لے کر اس پر مقبول تفریعات قائم کیں اور کتاب ''المزارعة'' کے مسائل ابراہیم نخعی کے قول پر تفریعات کے نتیجے میں ہیں۔ جن میں ان کے تلامذہ نے بھی ان سے اختلاف کیا۔

(تأنیب الخطیب، ص: ۲۰۳ ط: بیروت، ص: ۲۱۹ ط: المکتبة الأزهر)

تو یہ ہے غلبۂ قیاس کا ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے حضرات محدثین نے امام صاحب کی مخالفت کی، وہ نہیں جو اس بے اصل روایت میں بیان ہوئی ہے۔

یاد رہے کہ ''استاذ الحارثی'' نے یہی کہانی ''حُدِّثْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النَّظَرِ قَالَ: حَدَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْأَشْعَثِ الشَّامِيُّ بِمَكَّةَ'' کے واسطہ سے بھی بیان کی ہے۔ (الموسوعة: ۱۷۵/۱۵) مگر استاذ الحارثی نے یہاں اپنے استاد کا نام تک نہیں لیا اور فرمایا: مجھے بیان کیا گیا ہے۔ بالکل یہی پوزیشن دوسری سند کی ہے، وہاں بھی ''حُدِّثْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ نُوحٍ الْبُلْخِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ سَلْمَ بْنَ سَالِمٍ'' کہا گیا ہے۔ اب انصاف شرط ہے کہ ایسی مبہم سند پر اعتماد کہاں تک درست ہے؟

ساتویں حدیث باطنیوں کی ہم نوائی:

''الموسوعة الحديثية'' (رقم: ۱۰۴۰۱، ۱۰۴۰۲) میں ایک مکالمہ امام صاحب اور ابوعبداللہ علی بن ابی جعفر کے مابین نقل ہوا ہے اور اسے ''باب تفسير قوله تعالىٰ: ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ [التكاثر: ۸] میں اس آیت کی تفسیر بیان کرنے کے لیے نقل کیا گیا۔

خلاصہ اس کا یہی ہے کہ امام صاحب نے ابوعبداللہ علی بن ابی جعفر سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے: ''تم معروف کا حکم دو گے، منکر سے منع کرو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمھارے شریر لوگوں کو مسلط کر دے گا، پھر تمھارے نیک لوگ دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔'' اس کا کیا مفہوم ہے؟

انھوں نے فرمایا: اے ابوحنیفہ! تمھارے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کیا مفہوم ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: کوئی آدمی کسی کو ایسا عمل کرتے ہوئے دیکھے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہ ہو تو وہ اسے اس عمل سے روک دے اور اطاعت کا حکم دے اور معصیت سے روکے۔ تو ابوعبداللہ نے فرمایا: یہ اس کے معنی نہیں، بلکہ زمین و آسمان میں معروف امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں، تو امام صاحب رحمہ اللہ خاموش ہو گئے، ابوعبداللہ نے فرمایا: ابوحنیفہ یہ سکوتِ رضا ہے یا انکار؟

تو امام صاحب نے فرمایا: ''کون ہے جو اس کا انکار کر سکے، پھر امام صاحب نے ان سے پوچھا: ﴿ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴾ میں ﴿ النَّعِيْمِ ﴾ یعنی نعمت سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے کہا: ابو حنیفہ! آپ کے نزدیک اس کے کیا معنی ہیں؟ تو امام صاحب نے فرمایا اس سے مراد: جس کا دل مطمئن ہو، صحت مند ہو اور قوت و طاقت میسر ہو۔ تو ابو عبداللہ نے فرمایا: نہیں ابو حنیفہ، ہم ''نعیم'' ہیں، لوگوں کو ہماری وجہ سے اللہ گمراہی سے نکالتا ہے اور اندھے پن سے نکال کر بصیرت عطا فرماتا ہے تو امام صاحب نے فرمایا: ''حكمة محكمة وقول مقبول'' بڑی مضبوط حکمت ہے اور یہ قول مقبول ہے الخ۔ اس کے آخر میں ابو عبداللہ کا یہ فرمان بھی ہے کہ ان کا علم ظاہر ہے اور ہمارا علم باطنی حقیقی ہے۔

قارئین کرام! یہ قصہ استاذ الحارثی کی کشف الآثار سے شیخ قاسمی صاحب نے نقل کیا ہے اور ''استاذ الحارثی'' کذاب وضاع ہے۔ باقی سند کے قطع نظر سوال یہ ہے کہ حدیث کی تعبیر اور قرآن مجید کی آیت میں ﴿ النَّعِيْمِ ﴾ کی جو تفسیر بیان ہوئی ہے جسے باب قائم کر کے قاسمی صاحب نے اس آیت کی تفسیر باور کروایا ہے اور امام صاحب نے جناب ابو عبداللہ کی تعبیر و تاویل کی تصدیق کی ہے، کیا یہ رفض و تشیع کی ترجمانی بلکہ باطنیوں کی ہم نوائی نہیں جو کہتے ہیں ہر آیت کا ایک باطنی مفہوم ہے اور وہی حقیقی علم ہے؟ قاسمی صاحب یہ خدمت سرانجام دے کر امام صاحب کی ترجمانی کر رہے ہیں یا باطنیوں کی؟ فاعتبروا يا أولي الأبصار.

آٹھویں حدیث قبر میں تین سوال:

''الموسوعة الحديثية'' میں ''باب الأسئلة الثلاثة في القبر'' کے تحت ایک حدیث بواسطہ، أبو حنيفه عن إسماعيل بن عبد الملك عن أبي

صالح عن أم هانی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”فِي الْقَبْرِ ثَلَاثُ سُؤَالٍ: عَنِ اللّٰهِ تبَارَكَ وَتَعَالٰى، وَدَرَجَاتٍ فِي الْجِنَانِ، وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عِنْدَ رَأْسِكَ، فَعَلَيْكُمْ بِالْقُرْآنِ“

(الموسوعة: ۸/۱۵۰، رقم: ۳۹۳۹، ۳۹۳۸)

”قبر میں تین سوال ہوں گے، اللہ تعالیٰ، درجاتِ جنت اور سر کے قریب قراءتِ قرآن کے بارے میں۔“

قاسمی صاحب کی بے خبری کہیں یا تجاہلِ عارفانہ کہ دونوں نمبروں کو انھوں نے بالکل ایک ہی سند سے نقل کیا ہے اور ایک کا حوالہ الاستاذ الحارثی کی المسند اور کشف الآثار کا دیا، جب کہ دوسری کا حوالہ جامع المسانید سے حافظ طلحہ کی المسند کا دیا، سند ملاحظہ فرمائیں:

”حدثنا أحمد[۱] بن محمد عن محمد[۲] بن أحمد حدثنا محمد[۳] بن القاسم حدثنا أبو مقاتل عن أبي حنيفة“

فرق صرف یہ ہے کہ حافظ طلحہ کی المسند میں: ”احمد بن محمد بن سعید ہے، محمد بن احمد الطالقانی، ابو جعفر محمد بن القاسم، ابو مقاتل السمرقندی ہے، یعنی صرف ناموں کی وضاحت ہے، نام وہی ہیں۔

اب مختصراً اس سند کا حال دیکھیں۔ ابو مقاتل کا نام حفص بن سلم ہے جو عبادت گزار اور فقیہ تو تھا مگر امام عبدالرحمان بن مہدی اور امام وکیع نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ حافظ سلیمانی نے اسے وضاع کہا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ الحلبی نے اسے ”الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث“ میں ذکر کیا ہے۔ امام قتیبہ نے بھی سخت کمزور کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ عبادت گزار تھا، مگر منکرات اور بے اصل روایات بیان کرتا تھا۔ امام حاکم اور ابو سعید النقاش نے کہا ہے کہ وہ من گھڑت

روایات بیان کرتا ہے۔ (میزان: ۱/۵۵۷، لسان: ۲/۳۲۲، ۳۲۳ وغیرہ) ابو مقاتل کی بالکل اسی سند سے یہ روایت بھی منقول ہے:

"العلم ميراثي و ميراث الأنبياء قبلي، فمن كان يرثني فهو في الجنة"

یہ روایت بھی "الموسوعة الحديثية" (رقم: ۵۵۱، ۵۸۷) کی زینت ہے جسے علامہ سیوطی نے ذیل الموضوعات (رقم: ۱۸۳) میں ذکر کیا ہے اور حفص بن سلم کے بارے میں کہا ہے: "كَذَّبَهُ ابْنُ مَهْدِيٍّ، وَقَالَ السُّلَيْمَانِيُّ: هُوَ فِي عَدَادِ مَنْ يَّضَعُ الْحَدِيْثَ" بلکہ استاذ الحارثی نے اور حافظ طلحہ نے جس سند سے یہ حدیث نقل کی ہے، اس حوالے سے علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ کلام ملاحظہ ہو:

"قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: اَلْإِسْنَادُ فِيْ الْمُسْنَدِ جَمْعُهُ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيْدٍ الْهَمْذَانِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدُ الطَّالَقَانِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ أَبُوْ جَعْفَرٌ الطَّايِكَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُقَاتِلٍ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ عَنْ أُمِّ هَانِيٍّ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ مَدِيْنَةً مِنْ مِسْكٍ مُعَلَّقَةً تَحْتَ الْعَرْشِ ......"

(میزان: ٤/١١، ١٢)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ مسند الحارثی سے آٹھ اور روایات بھی نقل کی ہیں:

① "مَنْ شَدَّدَ عَلَى أُمَّتِيْ فِيْ التَّقَاضِيْ" الحديث

② "اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَا فِيْهَا مَلْعُوْنٌ، إِلَّا الْمُؤْمِنَ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ"

③ "يَا عَائِشَةُ! لِيَكُنْ سِرَارُكَ الْعِلْمَ وَالْقُرْآنَ"

④ "يَا عَلِيُّ مَا أَجَاعَكَ؟"

⑤ "فِي الْقَبْرِ ثَلَاثُ سُؤَالَاتٍ ......" الحديث

⑥ "مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لَهُ فَهُوَ مَغْفُورٌ لَهُ"

⑦ مَنْ جَاعَ يَوْماً وَاجْتَنَبَ الْمَحَارِمَ" الحديث

⑧ "يَوْمُ الْقِيَامَةِ ذُوْ حَسْرَةٍ وَّنَدَامَةٍ"

ان تمام احادیث کو لکھ کر حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَهٰذَا مِنِ اخْتِلَاقِ الطَّايِكَانِيِّ، مَعَ أَنَّ شَيْخَهُ حَفْصاً كُذِّبَ"

یہ طایکانی کی بنائی ہوئی ہیں، اس کے ساتھ اس کے شیخ حفص کی تکذیب کی گئی ہے۔ یہ پوری عبارت علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "ذیل الموضوعات" (رقم: ۸۷۳، ص: ٤٦٠، ٤٦١) میں بھی نقل کر کے ان احادیث پر وضع کا حکم ثبت کیا ہے۔ علی الترتیب یہی روایات "الموسوعة الحديثية" میں ملاحظہ فرمائیں:

① "الموسوعة" (رقم: ۷۹۷۰، ۷۹۷۱، ۷۹۷۲، ۷۹۷۳) "باب عقوبة التشديد في التقاضي" جسے مسند الحارثی، مسند الاشنانی، المسند لابن خسرو، مسند للثعالبی کے حوالوں سے نقل کیا گیا ہے اور سب کا مدار اسی "محمد بن قاسم الطايكاني حدثنا أبو مقاتل حفص" پر ہے۔

② "الموسوعه" (رقم: ۱۰۱۳۹، ۱۰۱٤۰، ۱۰۱٤۱) "باب ما جاء في ذم الدنيا وأهله" جسے المسند اور کشف الآثار للحارثی، اور المسند لطلحہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

③ "الموسوعة" (رقم: ٦٣١، ٦٣٢، ٦٣٣) یہ بھی الحارثی اور المسند لطلحہ کے حوالے سے ہے۔

④ "الموسوعة" (رقم: ۸٥۲۳، ۸٥۲٤) یہ بھی الحارثی اور المسند لطلحہ کے حوالے سے ہے۔

⑤ یہ وہی ہے جس کا ذکر آٹھویں حدیث کے تحت ہوا ہے۔

⑥ "الموسوعة" (رقم: ١٠١١٨، ١٠١١٩)

⑦ "الموسوعة" (رقم: ٤١٦٩) الحارثی نے یہ "مَا مِنْ مُؤْمِنٍ جَامَعَ يَوْماً" کے الفاظ سے ذکر کی ہے۔

⑧ "الموسوعة" (رقم: ١٠٥٧٣) الحارثی میں یہ "إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" کے الفاظ سے ذکر کی ہے۔

ابو مقاتل حفص بن سلم اور محمد بن قاسم الطایکانی کے واسطے سے اور احادیث بھی الموسوعۃ الحدیثیۃ میں منقول ہے، مگر ہمارا مقصد استیعاب نہیں۔ بتانا یہ تھا کہ اس قسم کے وضاع اور کذاب راویوں کی بیان کردہ روایات کو امام صاحب کی مسند باور کرانا خود فریبی ہے۔ کیا ایسی روایات کو امام صاحب کی مرویات قرار دے کر انھیں کثیر الروایہ ثابت کرنے کی کوشش کوئی عقل مندانہ اقدام ہے؟

نویں حدیث فضیلتِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

اوپر جو عرض کیا گیا اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ "الموسوعة" میں ایک قصہ منقول ہے کہ شریک بن عبداللہ فرماتے ہیں: ہم امام اعمش کے مرض الموت میں ان کے پاس تھے کہ امام ابوحنیفہ، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ تشریف لائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ابو محمد! تم دنیا سے جا رہے ہو، تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں احادیث بیان کرتے تھے، کاش وہ تم بیان نہ کرتے تو بہتر تھا۔ امام اعمش نے فرمایا: مجھ جیسے کے بارے میں تم یہ کہہ رہے ہو؟

"حَدَّثَنِي أَبُو الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ

وَتَعَالَى لِيُ وَلِعَلِيٍّ: أَدُخِلَا الْجَنَّةَ مَنُ أَحَبَّكُمَا وَأَدُخِلَا النَّارَ مَنُ أَبُغَضَكُمَا، و ذلك قوله تعالىٰ: ﴿ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴾ [ق: ٢٤]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہو گا اللہ تعالیٰ مجھے اور علی رضی اللہ عنہ سے فرمائیں گے: جن سے تم محبت کرتے ہو انھیں جنت میں داخل کر دو اور جن سے تم بغض رکھتے ہو انھیں جہنم میں داخل کرو ﴿ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴾ کی یہی تفسیر ہے۔''

یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا: اٹھو یہاں سے! یہ کوئی اس سے بھی تعجب ناک بات نہ لے آئے۔ وہ اٹھے اور ابھی دروازے پر ہی پہنچے تھے کہ اعمش فوت ہو گئے۔

''الموسوعة الحديثية'' میں (١٣/ ١٦٤، ١٦٧، رقم: ٨٥٢٥، ٨٥٢٦، ٨٥٢٧، ٨٥٢٨) کے تحت مسند عمر بن الحسن الاشنانی، المسند لابن خسرو، المسند للثعالبی کے حوالے سے منقول ہے۔ امام ابو حنیفہ کا اس پر انکار بھی مذکور ہے، مگر یہ پھر بھی ان کے نام پر جمع کی گئی مسانید اور ''الموسوعة الحديثية'' کی زینت ہے۔ شاید اس سے امام صاحب کا ناقدِ حدیث ثابت کرنا مقصود ہو۔ واللّٰہ أعلم

مگر آپ حیران ہوں گے کہ یہ قصہ ''إسحاق بن محمد بن أبان النخعي عن يحيىٰ بن عبد الحميد الحماني'' کی سند سے منقول ہے اور اسحاق کبھی اسے محمد بن الطفیل سے بھی بیان کرتا ہے، مگر اسحاق بن محمد النخعی کا حال یہ ہے کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے پہلا جملہ اس کے بارے میں یہ لکھا ہے: ''كَذَّابٌ مَارِقٌ مِنَ الْغُلَاةِ'' جھوٹا، دائرۂ مذہب سے خارج، غالیوں میں سے ہے۔ نیز کہا ہے کہ ائمۂ جرح نے اسے اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کیا اور اچھا کیا، کیونکہ وہ زندیق تھا۔

تفصیل کے لیے دیکھیں: میزان (۱/۱۹۶، لسان: ۱/۳۷۱ وغیرہ) اب ایسے زندیق رافضی کی بیان کی ہوئی کہانی سے مسند الامام کو سجانا کہاں کا انصاف ہے؟ حیرت ہے شیخ قاسمی نے ایک حرف بھی اس کے بارے میں نہیں لکھا۔

اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس آنے والے وفد میں قاضی عبداللہ بن شبرمہ کا بھی ذکر ہے جو ۱۴۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ (تقریب، ص: ۱۷۶، تہذیب: ۶/۷۵۵) جب کہ امام سلیمان بن مہران اعمش ۱۴۴ھ کے تین چار سال بعد ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ (تقریب، ص: ۱۳۶، تہذیب:۵/۴۱۵ ط: جمعیة دار البر) علامہ ابن جوزی نے عمر بن الحسن الاشنانی کے واسطے سے ہی اسے الموضوعات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث موضوع ہے اور امام اعمش پر جھوٹ بولا گیا ہے اور اس کو وضع کرنے والا اسحاق نخعی ہے جو غالی رافضی اور کذاب ہے۔ اس نے یحییٰ الحمانی پر بھی جھوٹ بولا ہے، اگرچہ وہ بھی کذاب ہے۔ (الموضوعات: ۱/۴۰۰) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ (اللآلئ المصنوعة: ۱/۳۸۱) نیز دیکھیے: تنزیه الشریعة (۱/۳۶۷)، الفوائد المجموعة (ص: ۳۸۲).

دسویں حدیث:

"الموسوعة الحدیثیة" میں متعدد احادیث صالح بن احمد بن ابی مقاتل البزار کے واسطے سے نقل کی گئی ہیں جو استاذ الحارثی کا استاد ہے۔ انہی میں ایک حدیث یہ بھی ہے:

"أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ، بَيْتٌ لَا يُسْتَرُ وَمَاءٌ لَا يُطَهِّرُ"

(الموسوعة: ۵/۱۶۷، رقم: ۱۱۸۲)

یہ روایت استاذ الحارثی کی المسند سے منقول ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے الاستاذ الحارثی ہی کے حوالے سے اسے صالح بن احمد کے ترجمہ میں بالاسناد ذکر کیا ہے اور کہا ہے: "هذا من اختلاق صالح" کہ یہ صالح کی بنائی ہوئی حدیث ہے۔ اسی حقیقت کو شیخ قاسمی نے نقل کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے حکم کا اقرار حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے مگر ہوشیاری یہ دکھلائی کہ فرمایا: "عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ لَمْ يُوجَدْ صَالِحٌ" کہ بیہقی کی سند میں صالح نہیں ہے۔ بلاشبہ بیہقی کی سند میں صالح بن احمد نہیں ہے اور بیہقی وغیرہ کی روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے واسطے سے نہیں، بلکہ "يزيد بن هارون حدثنا أبو جناب يحيىٰ بن أبي حية عن عطاء عن عائشة" کی سند سے ہے اور اس کا مدار ابو جناب یحییٰ بن ابی حیۃ الکلبی پر ہے جو ضعیف و مدلس ہے۔ مگر کیا شیخ قاسمی کے علم میں نہیں کہ صالح بن احمد کذاب، متروک سارق الحدیث تھا جو ضعیف متون کی اپنی طرف سے اسانید بنا کر اسے روایت کرتا تھا۔ امام ابن عدی نے الکامل (٦/٢٤٤) میں اس کی اس "جسارت" کی متعدد مثالیں دی ہیں، بلکہ امام ابن حبان نے کہا ہے: دس ہزار سے زائد احادیث کی اسانید میں اس نے تبدیلی کی ہے۔ (المجروحین: ١/٣٧٣)

اس حقیقت کے بعد شیخ قاسمی کا فرمانا کہ بیہقی کی سند میں صالح نہیں، بلاشبہ نہیں، مگر اسی نے تو اس متن کی وہ سند امام صاحب کے نام سے گھڑی ہے تاکہ یہ حدیث ان کی مسند میں شمار ہو پائے۔ اسی صالح بن احمد نے بواسطہ قاضی ابو یوسف امام صاحب کی یہ حدیث بھی ذکر کی ہے:

"عَنِ الْهَيْثَمِ الصَّرَّافِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُّبَالَ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يُغْتَسَلُ

مِنْهُ أَوْ يُتَوَضَّأُ" (الموسوعة: ۲۱/۵، رقم: ۸۰٤)

شیخ قاسمی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ یہ روایت سنن و مسانید وغیرہ میں مختلف طرق سے محمد بن سیرین سے مروی ہے۔ بجا فرمایا مگر صالح نے جس سند سے اسے ذکر کیا ہے وہ اس کے سارقِ حدیث ہونے کی دلیل ہے۔ ثقات اس سند سے اسے ذکر نہیں کرتے۔ معلوم شد کہ قاضی ابو یوسف سے روایت کرنے والے اور راوی بھی ہیں مگر خود ان روایات کی پوزیشن کیا ہے اور یہ خود قاضی صاحب کی کتاب الآثار میں کیوں نہیں؟

ہم یہاں انہی دس روایات پر اکتفا کرتے ہیں جن سے اس الموسوعہ میں مذکور احادیث کی حیثیت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ انھیں امام صاحب کی مرویات میں شمار کر کے ناخواندہ حضرات کو ان کے کثیر الروایہ کا تاثر سراسر دھوکا اور خود فریبی پر مبنی ہے۔

الموسوعہ کے حوالے سے بہت سی باتیں باقی ہیں مگر پہلے ہی نہ چاہنے کے باوجود یہ تبصرہ طویل ہو گیا ہے اس لیے ہم انہی گزارشات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس میں اگر کوئی خیر اور بہتری ہے تو وہ تمام تر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہے اور اگر کہیں کوئی خطا و غلطی ہے تو وہ اس فقیر کے قصورِ علم کا نتیجہ ہے۔ جو صاحب دلیل سے ہمیں متنبہ کریں گے ہم ان کے شکریے کے ساتھ اسے قبول کریں گے اور آیندہ اس کی تصحیح بھی کر دیں گے۔ ان شاء اللہ

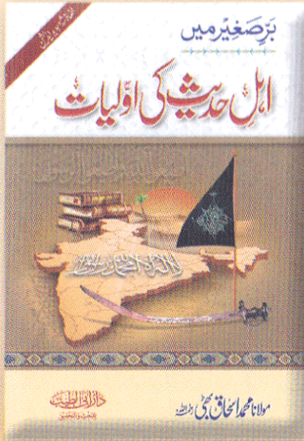
ارشاد الحق اثری، عفي عنه

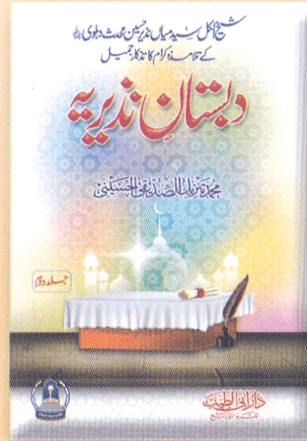
۲۳ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

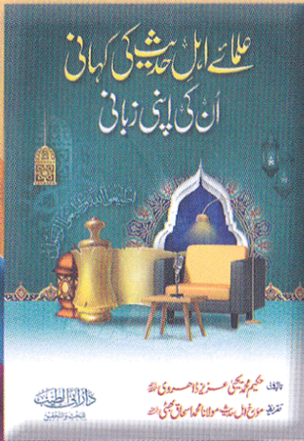
۲۲_۸_۲۰۲۲ء

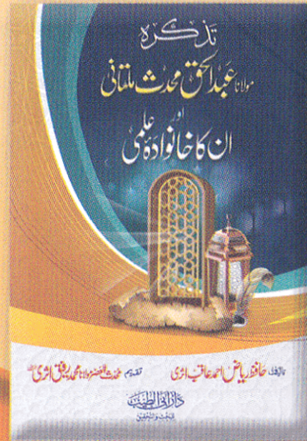


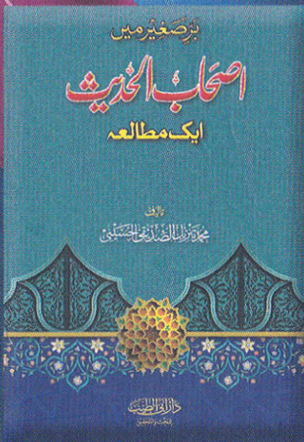
یادداشت

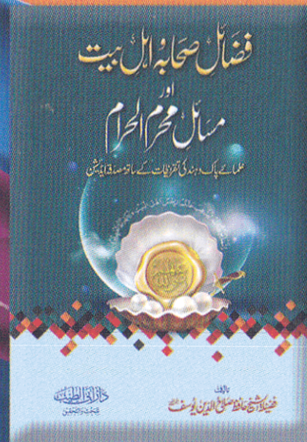












دار ابی الطیب
للبحث والتحقیق

Street no: 5, Hameed Colony, Gill Road, Gujranwala
+92-55-3823990 darabitayyab1@gmail.com
fb/darabitayyab www.darabitayyab.com